پرائسچت

از

شرت چندر چیٹرجی

مترجم

ڈاکٹر بالی کرشن موج
ایڈیٹر "کہانی" لاہور

پبلشرز
راجپال اینڈ سنز انارکلی لاہور

قیمت ایکروپیہ بارہ آنے

ایڈیشن دوم

لالہ رام رکھا مل جی چاولہ کے نام

فہرس

دو باتیں

مقدمہ پیش کرتے وقت میں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر قارئین نے میری اس پیشکش کو پسند کیا تو بہت جلد اسی مصنف کی دوسری چیزیں بھی پیش خدمت کروں گا چنانچہ آج اسی عہد کو پورا کر رہا ہوں۔ "پرائشچت" بنگال کے جادو نگار افسانہ نویس شری شرت چندر چیٹرجی کے دو افسانوں کا اُردو ترجمہ ہے۔ یہ افسانے ابتک اُردو میں منتقل نہیں ہو سکے۔

شرت کی کہانیوں میں ایک خاص وصف یہ ہے کہ ان کا پسِ منظر ہماری اپنی گھریلو اُلجھنیں اور سماجی خامیاں ہوتا ہے۔ دیہات کے بے زبان اور معصوم لوگوں میں نمائندگی اس عمدگی سے کی جاتی ہے۔ کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اگرچہ اس کے پلاٹ بنگال کے کرداروں میں سے ابھرتے ہیں لیکن فن کی خوبی اور فطرت کی عمدہ عکاسی سے ایک ایسا آئینہ بن جاتے ہیں۔ جن میں سے ہم سب اپنا عکس دیکھ سکتے ہیں اپنے دل کی دھڑکن سُن سکتے ہیں۔ اور یہی کسی کہانی کی سب سے بڑی لوازم ہوتی ہے۔

اس مجموعہ کا پہلا افسانہ ایک ایسے شخص سے تعلق رکھتا ہے جس کی پرورش غربت کے ماحول میں ہوتی ہے جس کا قدب بیحد شائستہ اور جذبے سلجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تقدیر یہ ایسا ماحول پیدا کر دیتی ہے۔ کہ اس کی شادی ایک رئیس کی لڑکی سے ہو جاتی ہے۔ جو خاوند کی تعظیم اور محبت اپنا فرض سمجھتی ہے۔ لیکن امارت سے پیدا شدہ امتیازی خاصیت بھی ترک نہیں کر سکتی۔ انہی اُلجھنوں میں اس کی زندگی کا کارواں بڑھتا ہے وہ اس سے محبت کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس کا مفہوم نہیں سمجھتی۔ اس کے دل میں بے پناہ جذبات ناچتے ہیں۔ پر وہ انہیں الفاظ کا موزوں جامہ پہنا کر ظاہر نہیں کر سکتی۔ اور کاشی ناتھ ـــــ وہ بھی محض اس رشتہ کو مذہبی اور مجلسی پابندیوں

میں گھرا ہوا نباہتا جاتا ہے ــــــ اس اجنبی ماحول اور غیر مانوس سلوک کو دیکھتا ہے۔ اور چونک چونک جاتا ہے۔ ایک بلند مرتبہ زمیندار کے داماد کی حیثیت سے اسے عام طبقہ سے پرے پرے رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے عزیز و اقارب سے بھی گھل مل نہیں سکتا ـــــ ہے ـــــ

اس پر بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ حتےٰ کہ اس کی رفیق حیات اس سے الگ ہو جاتی ہے۔ اور انجام اتنا پُر لطف ہے جسے شرت کے بغیر شاید ہی کوئی نباہ سکتا۔

دُوسرا افسانہ "سُمتی" دیور اور بھابھی کے پاکیزہ تعلقات پر روشنی ڈالتا ہے۔ رام اگرچہ سوتیلا دیور ہے۔ لیکن بھابھی اسے ماں سے بھی بڑھ کر پیار کرتی ہے ـــــ

کاش ہر گھر میں ایک ایسی بھابھی ہوتی۔ تو ہماری سب سماجی اور گھریلو اُلجھنیں رفع ہو جائیں۔

ترجمہ کے متعلق مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اچھا ہے یا بُرا اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ فقط

کہانی محل شیخوپورہ
۱۰ فروری ۱۹۴۷ء

بال کرشن موج

پرائشچت

(۱)

رات کے ۴ بجے ہی اُٹھ، نہا دھو۔ پُوجا پاٹھ کر کے۔ اونچی چوٹی باندھ کاشی ناتھ جب دھنجے بھٹاچاریہ کی پاٹھ شالہ کے ایک کونہ میں بیٹھ کر درشن شاستر (فلسفہ کی کتاب) کے سُوتر اور شرح رٹنے لگتا۔ تب اُسے بیرونی دُنیا سے کوئی تعلق نہ رہتا۔ ذہین اور ہونہار بچہ درشن شاستر کی بھول بھلیوں میں ایسا کھو جاتا۔ کہ دُنیا و مافیہا کی بالکل ہوش نہ رہتی۔ اس کیفیت کو دیکھ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ایک کہتا وُہ اپنے باپ کی طرح عالم ہوگا۔ دوسرا بول اُٹھتا کہیں اسی بھاگ دوڑ میں باپ کی طرح ذہنی توازن نہ کھو بیٹھے۔ پاگل ہونے کا خدشہ محسوس کرنے والوں میں سے ایک اس کے ماما بھی تھے۔ گاہے بہ گاہے وہ کہا کرتے "بیٹا! تم غریب کے لڑکے ہو۔ اتنا پڑھ لکھ کر کیا کرو گے؟ جتنا پڑھ چکے ہو اتنے سے ہی تمہیں مُٹھی بھر چاول، ایک انگوچھا۔ اور تھالی لوٹا آسانی سے مل سکتا ہے۔ اتنا زیادہ مطالعہ کر کے کیا تم بھی مرحوم بندو پادھیائے کی طرح مکان کے ایک کونہ میں دبک کر سر ہلایا کرو گے؟

ابھی جو ایک آدھ اُمید کی شعاع نظر آ رہی ہے۔ اس پر بھی تاریکی کا غلاف چڑھ جائے گا کیا؟"

ماما کا یہ وعظ اس کے ایک کان سے داخل ہوتا اور دوسرے سے نکل جاتا۔ پاگل ہو جانے کے خوف سے ماما اسے ڈانٹا کرتے گھر کا کام دھندا نہ کرنے پر مامی پھٹکارتیں یعن طعن کی بوچھاڑ ہوتی اور گرامر پڑھنے میں مصروف جان کر عمر میں بڑے ماموں زاد بھائی اس کی ہنسی اُڑاتے۔ لیکن کاشی ناتھ کا ذہنی سکون اس ہنگامی جھکولوں سے تزلزل نہ ہوا۔ اور وہ انہیں کچھ اہمیت نہ دیتا۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر وہ اپنے شغل میں مصروف رہا۔ شام کو دل میں آنے پر کبھی وہ میدان میں مزے سے گھومتا کھیلتا یا پھر ندی کے کنارے ایک پُرانے پیپل تلے بیٹھ کر مغرب کی اتھاہ غار میں چھپتے ہوئے سورج کی لال لال کرنوں کی رنگت آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے دیکھتا۔ کبھی زمیندار بابو کے مندر میں جا کر شوجی کی آرتی میں شریک ہو جاتا۔ اور پھر بار عقیدت سے جھکی ہوئی آنکھیں لے کر ماما کی عبادت گاہ کے کسی تاریک گوشہ میں کمبل اوڑھ کر خاموشی سے بیٹھ جاتا۔

ایسے محسوس ہوتا تھا۔ جیسے دُنیا سے اس کی کوئی آرزو اور کوئی اُمنگ وابستہ نہیں۔ بارہ برس کی عمر میں اس کے پتا دائمی اجل کو لبیک کہہ کر اسے روتا بلکتا چھوڑ گئے تھے۔ اور یہ چھ برس اس نے اپنے ماما کے ہاں ہی بسر کر دیئے تھے۔ وہ ابھی کیا کرتا ہے، بعد میں کیا کرے گا۔ قبل ازیں کیا کر چکا ہے۔ کیا کیا جانا ضروری ہے۔ اور اسے کونسی حرکت عمل میں لانی موزوں ہے۔ ان باتوں سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان جذبوں کی یاد کبھی اس کے ذہن میں نہیں تیری۔ جیسے ہمیشہ وہ اسی کیفیت میں اپنی زندگی کی بتا کہتا جائے گا۔ جیسے زندگی کی آخری رمق اس کے جسم میں موجود ہونے تک اسے ماما کے ہاں سے روکھی سوکھی غذا میں حاصل کر کے مار پیٹ اور لعن طعن سہہ کر

رہنا ہوگا۔ اسے نہ کہیں جانا ہے اور نہ کہیں کچھ کرنا۔ جیسے وہ اسی تاریک گوشہ میں اسی طرح کمبل اوڑھ کر دبکا رہے گا۔ کوئی اسے حرکت کرنے یا اٹھنے کو نہ کہے گا۔ جیسے اس پر کسی کا کچھ حق نہیں۔ محلے کا کوئی آدمی اگر ترس کھا کر اسے بلاتا اور کہتا کہ کاشی ناتھ! اس طرح کبھی کسی کی گذر نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی تم زندگی کے دن پورے کر سکو گے جو بھی ہو سکے کچھ نہ کچھ ضرور کرو۔ لیکن وہ کچھ جواب نہ دیتا۔ صرف اس کے ذہن میں ایک سوال سا پھیل جاتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیئے؟ اسی طرح کاشی ناتھ کے جیون کا راہ کٹتا جا رہا تھا۔

———(۲)———

گاؤں کے زمیندار پربھو ناتھ مکھو پادھیائے بہت نیک اور انتہائی دولت مند و رحمدل تھے۔ جب دیکھا کہ خاندان کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے اتنے بڑے آدمی ہونے پر بھی کوئی اچھا گن وان اور موزوں ور نہیں ملا۔ تو انہیں مرتبہ اور خاندانی ڈھونگ سے ایک قسم کی چڑ سی ہو گئی۔ بیوی سے جب کبھی اس موضوع پر بات چیت چھیڑتے تو وہ کہتیں :-

"میری ایک ہی تو لڑکی ہے۔ مجھے یہ خاندانی روایات سے اتنا لگاؤ رکھنے کی کیا ضرورت ہے ؟"

ان کے گورو اسی گاؤں میں رہتے تھے۔ ان سے پوچھا تو وہ بولے

"ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے! تمہیں دھن کی کوئی کمی نہیں کسی غریب گھرانے کے لڑکے کو کنیا دان کر کے داماد اور لڑکی کو گھر پر ہی رکھو۔ یہ بات سننے اور دیکھنے میں بہت اچھی معلوم ہو گی۔ اتنا بڑا خاندان اسقدر بلند مرتبہ! اس کی برتری کو ضعف پہنچانا بھی بھلا قابل ستائش قرار دیا جا سکتا ہے کہیں ؟"

پربھو ناتھ بابو نے گھر لوٹ کر یہی بات کہی۔ بیوی نے تائید کرتے ہوئے کہا

"ہاں! یہی کرو۔ جتنے روز بقیدِ حیات رہوں کملا نظروں میں ہی رہے"۔

ایسا ہی ہوا۔ غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والے لڑکے سے شادی کرکے داماد کو اپنے ہی گھر بٹھرانے کا مصمّم ارادہ کرکے ایک دن ہردیہ ناتھ بابو پنڈت مدھوسودن مکھوپادھیائے کے گھر گئے۔ پنڈت جی اس روز ججمان کے ہاں روزمرہ کی پوجا کرنے جا رہے تھے۔ یکایک اتنے بڑے زمیندار کے اپنے گھر آموجود ہونے پر وہ سکتہ میں آگئے۔ بیچارے کہاں بٹھائیں۔ کیا خاطر کریں۔ کچھ سمجھ نہ سکے۔ پر یہ ناتھ بابو سمجھ گئے کہ مدھوسودن بحرِ تفکرات میں اترے جا رہے ہیں۔ ہنس کر بولے۔

"آپ سے کچھ کام ہے۔ چلئے اندر چل کر بیٹھیں"۔

"جی ہاں! چلئے ——— پر ؟"

"پر ور کچھ نہیں۔ چلئے بیٹھ کر سب باتیں اطمینان سے کہتا ہوں"۔

دونوں چنڈی منڈپ میں جا بیٹھے۔ پر یہ ناتھ بابو نے کہا۔

"آپ کا بھانجا کہاں ہے ؟"

"اور کہاں ہوگا۔ بھٹ آچاریہ جی کی پاٹھشالہ میں پڑھ رہا ہوگا"۔

"ذرا بلایئے تو اسے"۔

"بلاتا ہوں! کوئی ضروری کام ہے ؟"

"ہاں! ایک ضروری کام ہی ہے ——— یہی سمجھ لیجئے"۔

مدھوسودن کچھ نہ سمجھ سکے کہ اس بدبخت لڑکے سے اتنے بڑے زمیندار کو کیا ضروری کام ہو سکتا ہے۔ بلکہ متوحش ہو کر بولے۔

"کیا کوئی قصور سرزد ہوا ہے اس سے ؟"

"قصور کیا ہوگا ؟"

"تو ——— ؟"

پریہ ہنس کر بولے

"میں اسے داماد بنانا طے کر چکا ہوں۔ اور اس ناطے سے آپ میرے سمدھی ہوئے۔" اور کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ جس بات کو سوچ کر انہیں ہنسی آتی تھی مدھو سودن اگر اسے جان لیتے تو شاید پھر لب کشائی کر سکتے۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں گھورنے لگے۔۔۔ ایک لمحہ بعد بولے۔

"کسے ۔۔؟ کاشی ناتھ کو؟"

"ہاں۔" "کیوں؟"

"اتنے بڑے خاندان کا لڑکا مجھے تلاش کرنے پر بھی نہیں ملا۔ آپ کو اس میں کوئی اعتراض ہے کیا؟"

"اعتراض !۔۔۔؟ یہ تو میری عین خوش قسمتی ہے۔ لیکن وہ کچھ مخبوط الحواس سا ہے ۔۔۔"

"پاگل ہے۔؟ کیسے؟ میں نے تو کبھی نہیں سنا" لہجہ میں حیرت تھی۔

"اس کے پتا جو پاگل تھے۔"

کاشی ناتھ کے پتا سے پریہ ناتھ بابو بخوبی متعارف تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ بعض لوگ انہیں پاگل کہا کرتے تھے۔ پریہ ناتھ بابو نے کچھ سوچ کر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا۔

"لڑکے کا نام کیا ہے؟"

"کاشی ناتھ مکھوپادھیائے۔"

"اُسے بلا دیجئے۔ میں ذرا ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مدھو سودن نے اسے پیغام بھیج دیا۔ انہی کا چھوٹا لڑکا اسے بُلانے گیا۔ اُس نے جا کر پکارا

"کاشی بھیّا"

اب کی بار اس نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا اور پوچھا "کیا ہے؟"

"پتاجی تم کو بُلا رہے ہیں"

"مجھے؟ کیوں؟"

"سو نہیں جانتا۔ گاؤں کے زمیندار آئے ہیں۔ اُنہوں نے ہی تمہیں طلب کیا ہے"

کاشی ناتھ دھیرے سے کتاب بند کر کے اُٹھا اور چلا آیا۔ ان کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا تو ہریہ بابو نے سرتاپا اس کا جائزہ لیکر کہا:۔

"کاشی ناتھ کہاں تھے تم؟"

"بھٹاچاریہ کی پاٹھ شالہ میں پڑھ رہا تھا"

"گرامر پڑھی ہے تم نے؟"

کاشی نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ اور کہا "ہاں پڑھی ہے"

"ادب کا مطالعہ کیا ہے؟"

"ہاں معمولی سا پڑھ چکا ہوں"

"اب کیا زیر مطالعہ ہے؟"

"سانکھیہ درشن"

ہریہ ناتھ بابو نے کہا "اچھا جاؤ۔ پڑھو جا کر"

کاشی ناتھ چلا آیا۔ اسے کیوں بُلایا گیا اور کس لئے جانے کو کہا گیا ہے۔ وہ بالکل نہ سمجھ سکا۔ پاٹھ شالہ پہنچ کر پھر وہ کتاب کھول کر بیٹھ گیا۔ اس کے لوٹ آنے کے بعد زمیندار بابو بولے

"ہاں! آپ وہ پاگل کی بات کیا کہہ رہے تھے مجھ سے؟"

مدھوسودن نے کہا "نہیں! ٹھیک دیوانہ تو نہیں۔ ایسے ہی کچھ عجیب طرح کا ہے۔ اسی سے کوئی کوئی اسے پاگل کہتا ہے"!

"وہ کیسے؟"

"ہمیشہ کتاب پر نظر جمائے بیٹھا رہتا ہے۔ پھر اپنی مرضی سے اِدھر اُدھر گھومتا رہتا ہے۔ کسی کام یا کسی بات میں دلچسپی نہیں لیتا۔ ایسے ہی کچھ عجیب سا ہے۔"

"اور کچھ کرتا ہے؟"

"یہی کبھی تاریک گوشہ میں گھنٹوں خاموشی سے بیٹھا رہتا ہے۔"

ہریہ بالو نے ہنس کر پوچھا "کچھ اور بھی کرتا ہے؟"

اس ہنسی کا مطلب جسے مدھوسودن کچھ کچھ سمجھ گئے۔ بات ٹالنے کی غرض سے کہنے لگے۔ "نہیں! اور کوئی خاص بات نہیں"۔

"تو گھر میں جا کر اندر ذرا دریافت کر لیجئے۔ ان لوگوں کو اگر اس سے اتفاق ہو۔ تو اسی مہینہ میں شادی کر دی جائے۔"

اندر جا کر اپنی بیوی سے پنڈت جی نے سب حال کہہ سنایا۔

سنتے ہی وہ تو جیسے آکاش سے دھرتی پر آ رہی۔ حیرت کا جذبہ ذرا کم ہونے پر بولی۔

"کاشی ناتھ کے ساتھ ہریہ ناتھ بالو کی لڑکی کا بیاہ۔ پاگل تو نہیں ہو گئے کہیں؟"

"اس میں عقل کھونے کی کونسی بات ہے"!

تو اور کیا؟

"کاشی ناتھ کتنے بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ذرا ذہن میں غور

نوکر دو اس مسئلہ پر؟

پنڈتانی جی کے لبوں سے بے ساختہ ایک گہری اور سرد آہ پھیل گئی۔ اور وہ بولیں۔ اپنے ہیرے کے ساتھ نہیں ہو سکتا؟"

اس بات سے دونوں بخوبی واقف تھے کہ نہیں ہو سکتا۔ پنڈت جی نے ایک لمبی سانس لے کر پوچھا۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟"

پنڈتانی جی نے حسد سے لبریز لہجے میں کہا۔ "رائے کیا ہو گی؟ بیاہ دو"

پنڈت جی نے باہر آ کر مصنوعی اور کھوکھلی ہنسی ہنستے ہوئے کہا

"براہمنی کی مسرت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ پھولی نہیں سماتی۔ وہی کاشی کی ماں کی جگہ ہے۔ بیچارہ دو برس کا بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ اس کی ماں پرلوک سدھار گئی تھیں۔ تب سے اس نے ہی اسے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے۔ اس کے بعد جب سے دولہا بھائی کا دیہانت ہوا۔ تب سے وہ یہیں ہے"

ہریہ بابو نے کہا

"مجھے سب معلوم ہے۔ تو پھر آج ہی سب موزوں کر ڈالئے"

"کیا؟ —— موزوں کیا کرنا ہے؟ آپ کو جب سہولیت اور فرصت ہو اسی روز آشیرواد دے آؤں گا ——"

"نہیں! وہ بات نہیں میں خاندانی عظمت اور فضیلت کی بات کہہ رہا ہوں"

"اس بارہ میں اور کیا تجویز ہو گی۔ آپ جو ارشاد فرما دیں گے اسی طرح تعمیل ہو گی۔ پھر بھی آپ کے ہونے والے داماد کی ممانی سے وہی ایک طرح سے اس کی ماں بھی ہے۔ ذرا بات کر لینا موزوں رہے گا"

"ہاں! ہاں! ضرور۔ یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا"

اس کے بعد لڑکے کی ممانی کی رائے ہے کہ ہر یہ بابو کی اچھیا سے ہی فیصلہ ہو گیا کہ ماں کی جگہ موجودہ سمدھن ایک ہزار روپیہ نقد لیئے بنا کاشی ناتھ کو کسی طرح بھی نہ بیاہے گی۔ آخر کار ہوا بھی یہی۔ زمیندار بابو نے اس میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔

(۳)

قبل ازیں خواہ کچھ بھی ہوتا ہو۔ لیکن جب کاشی ناتھ نے دیکھا کہ وہ باقاعدہ اور مستقل طور پر خانہ داماد ہو گیا ہے۔ تو اس کا ذہنی قرار اور سکون چھن گئے اب وہ جہاں چاہے جا نہیں سکتا تھا۔ حسب خواہش جہاں ارادہ ہو وہاں کھڑا نہیں رہ سکتا۔ سبھی چیزوں سے جیسے اسے الگ کر دیا گیا ہے وہ جہاں جانا چاہتا اول تو سسر صاحب روانگی کی اجازت پر تیار نہ ہوتے اور اگر وہ مان بھی جاتے تو ساس جھنجلا کر کہتیں :۔

"کیا میرا داماد ــــــــ فلاں کے گھر جائے گا؟" وہ بیچارہ یوں ہی دل مسوس کر رہ جاتا۔ اس طرح کیوں ہوا؟ اسے یوں کیوں رکھا جاتا ہے؟ اس میں کسی کا کیا سنورتا ہے۔ یہ باتیں اس کے ذہن کی گرفت سے بہت پرے تھیں۔ کوشش کرنے پر بھی وہ انہیں نہ سمجھ سکتا۔ کبھی کبھی وہ ذہن کو فریب دینے کے لئے سمجھاتا: "کیا میں کوئی معمولی آدمی ہوں جو یوں بے طرح بھٹکتا پھروں"؟ لیکن اندر سے اس کا دل چلاّتا کہ جواب دیتا "آرام نہیں، سکون اور امن میسّر نہیں"۔ پہلے وہ گھنے اور خود دار جنگلوں میں اپنی مرضی کے مطابق گھومتا پھرتا اب وہ طلائی پنجرے میں مقید ہے۔ اس بات کو وہ اچھی طرح محسوس کرتا تھا۔ پہلے وہ ایک وسیع اور لمبے چوڑے غیر محدود سمندر میں تیرتا پھرتا تھا۔ اب اُسے چاروں طرف دیواروں سے گھرے ہوئے ایک تالاب میں چھوڑ دیا

گیا تھا۔ سمندر میں وہ بہت سکھ سے تیرتا پھرتا تھا۔ یہ بات نہیں۔ وہاں اُسے طوفان اور لہروں کے جھکولوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ لیکن یہ شانت تالاب تو اس سے بھی بڑھ کر اُسے دُکھ دے رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ یوں محسوس کرتا جیسے اسے کسی نے کھولتے ہوئے پانی کے برتن میں ڈال دیا ہے۔ جیسے سبھی نے اتفاق لٹائے سے اس کے جسم کو خرید لیا ہے۔ جیسے یہ روح اس کی اپنی نہیں رہی بھرپہ وہ چوٹی اور گلے میں موجود مالا مفقود ہیں۔ جیسے وہ کبھی برہنہ پاؤں نہیں تھا۔ دسیتے بمدٹا چار یہ کا مکتب، ندی کا کنارہ، پیپل کا درخت۔ چنڈی منڈپ کا کونہ کچھ بھی تو نہیں —— سبھی اشیا جیسے ایک واہمہ تھیں۔

مانو اس نے نیا جنم لے کر پہلے جنم کی سب چیزیں جھاڑ پھونک کر پرے پھینک دی ہیں۔ گویا اس کی روح اور جسم دونوں لڑ جھگڑ کر الگ الگ ہو گئے ہیں۔ مغربی افق پر نیلا پن آتے ہی اس کا ذہن جب ندی کنارے کے اس پیپل تلے یا کھیتوں کے آس پاس کے کسانوں میں بھٹکتا پھرتا اس کا جسم ایک قیمتی پوشاک میں ملبوس تکیے پر کھویا کرتا۔ دل جب ایک انگوچھا باندھ کر ندی میں اودھم مچاتا اس کا جسم ایک چوکی پر بیٹھا ملازموں اور خدمتگاروں سے صابن تیل سے دُھلتا ہوتا۔ اس طرح ایک ہی کاشی ناتھ دو جگہ کام کرتا ہوتا۔ پھر بھی کوئی کام مکمل نہ ہوتا نہ اسے خود میں جذب کر سکتا۔

کتنے روز اسی طرح بیت گئے۔ ایک ایک کر کے بارہ مہینے گذرے۔ ابتدا کے چند ماہ کچھ بُرے نہیں بیتے۔ نئی گہما گہمی۔ اجنبی ماحول اور جدید اہتمام کی دلچسپی میں اس نے کچھ بھی بُرا محسوس نہ کیا۔ لیکن جب اسے اپنی حالت پر غور کرنے کی فرصت ملی تو وہ دن بدن کمزور ہونے لگا۔ اس کا جسم سوکھتا جا رہا تھا اور کسی نے اس پژمردگی کو محسوس نہ کیا۔ لیکن کملا خاوند کی آنکھوں میں جھانک

رہے جذبے بھانپ گئی ۔ اور ایک روز پوچھنے لگی ۔

"تم دن بدن سوکھتے کیوں جا رہے ہو؟"

"کون کہتا ہے ؟"

"میری آنکھیں کہہ رہی ہیں ـــ"

"یہ غلط کہہ رہی ہیں سب "

کملا نے پیچھا نہیں چھوڑا بولی "کیا بات ہے ؟ مجھ سے نہیں کہو گے ؟"

"کچھ بھی تو نہیں ہے کیا بتلاؤں آخر تمہیں ؟"

"نہیں کچھ تو ضرور ہوا ہے "

"نہیں ہوا ـــــــــ"

"میرا دل تو اس بات پر بضد ہے "

کاشی ناتھ نے منہ گھما کر کہا ۔ "تم بہت پریشان کیا کرتی ہو مجھے ۔ میں جاتا ہوں یہاں سے "

کاشی ناتھ جانے لگا تو کملا نے ہاتھ تھام کر بیتابی سے کہا ۔

"جاؤ مت ! میں اب سے کوئی بات نہ کہوں گی "

ایک لمحہ کے لئے کاشی ناتھ بیٹھ گیا لیکن پھر فوراً اُٹھ کر چل دیا ۔ کملا نے پھر اسے بیٹھنے کے لئے نہیں کہا ۔ خاوند کے اس طرح چلے جانے پر تکیہ میں منہ چھپا کر رونے لگی ۔

باہر آ کر کاشی ناتھ نے دیکھا کہ اس پر کسی کی نگاہ مرکوز نہیں ہے ۔ تو وہ آہستگی سے پھاٹک عبور کر کے سڑک پر آ گیا ۔ کافی دور نکل آنے پر اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک دربان اس کے تعاقب میں لپکا آ رہا تھا ۔ کاشی ناتھ جھنجلا اُٹھا اور تیزی سے بولا ۔

"تم کہاں منہ اٹھائے جا رہے ہو؟"

اس نے سلام کے بعد کہا۔ "حضور کے ساتھ"

"میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ لوٹ جاؤ۔"

"شام کو حضورِ تنہا ہی گھومنے جائیں گے؟"

کچھ جواب نہ دے کر کاشی ناتھ آگے بڑھنے لگا۔ دربان بیچارہ کیا کرے۔ کچھ نہ سمجھ سکا۔ آخر میں کچھ دیر رُک کر اس نے اپنے ذہن پر زور دے کر یہی طے کیا چپنا ہی موزوں رہے گا۔ کاشی ناتھ نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی اپنی مرضی کے مطابق چلتا چلتا وُہ اپنے ماموں کے ہاں پہنچ گیا۔ اندر جا کر اُداس اور خالی ذہن سے ایک کونہ میں جا بیٹھا۔ بہت دیر بیٹھے رہنے کے بعد جب ہریہ بابو گھومنے نکلے تو اُنہوں نے اسے دیکھ لیا۔ مگر شام کا جھٹپٹا ہو جانے کے باعث قریب جا کر بولے۔

"کون ہے؟"

کاشی ناتھ نے آہستگی سے کہا "میں ہوں"

ہریہ بابو کو بہت تعجب ہوا حیرت سے بولے "ایں! کنور صاحب! یہاں کیسے؟"

کاشی ناتھ خاموش رہا تب ہریہ بابو نے شور مچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں دیکھو ادھر دیکھو۔ زمیندار صاحب کے کنور جی آئے ہیں بیٹھنے کے لئے آسن تک کسی نے نہیں دیا۔"

ہریہ کی ماں دوڑی آئی۔ بولی "واہ بیٹا! کیا بدبخت ممانی کی بھی یاد آئی بیٹا؟"

کاشی ناتھ اب بھی چپ رہا۔ پھر ممانی نے اپنی لڑکی بندو داسی کو بُلا کر

کہا۔

"بندو! دیکھ ۔۔۔ جلدی آ تیرے کاشی بھیا آئے ہیں ادھر ۔۔۔ بیٹھنے کے لئے کچھ لے آ تا تب تک میں سندھیا وغیرہ سے فارغ ہو لوں۔"

بندو واسنی مدھوسودن بھٹ آچاریہ کی چھوٹی لڑکی ہے۔ گرہستھ گھر کی بہو ہونے کے باعث اکثر مائیکے نہیں آسکتی۔ آج اسے آئے ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ لیکن کاشی بھیا کو اس نے ابھی تک نہ دیکھا تھا۔ وہ اسے بہت چاہتی تھی اسی لئے بھیا کا نام سنتے ہی وہ بھاگی آئی۔ آ کر دیکھا تو کوئی کہیں نہ تھا۔ صرف ایک بابو تاریکی میں دبکے بیٹھے تھے۔ ایسے کاشی بھیا کو تو اس نے قبل از یں کہیں نہیں دیکھا تھا۔ کاشی بھیا بابو ہو گئے ہیں۔ بڑے آدمی کے داماد ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مسکرا دی۔ قریب آ کر بھیا کا زرد اور لاغر اداس چہرہ دیکھا تو اس کی ہنسی یک دم فنا ہو گئی۔ اس کا پیلا اور مرجھایا ہوا منہ اس نے اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھا تھا۔ گھر میں محض وہی ایک کاشی بھیا کو پہچان سکی تھی۔ اس نے پاس آ کر پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی محبت سے پوچھا

"کاشی بھیا! یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہو چلو اندر چل کر بیٹھو ۔۔۔ اٹھو" اور کاشی ناتھ بلا کچھ کہے سنے اندر جا کر دھم سے کھاٹ پر بیٹھ گیا۔ بندو نے کہا ۔

"بھیا! یہاں آئے کتنے روز ہو گئے تم دیکھنے کے لئے بھی نہ آئے؟"

"آ نہیں سکے بہن" کمزور آواز میں جواب ملا۔

"کیوں؟ آ کیوں نہیں سکے؟"

کاشی ناتھ نے ہچکچا کر کہا "آنے نہیں دیتے!"

"آنے نہیں دیتے؟ کیوں؟" آواز میں حیرت مل گئی تھی۔

کاشی ناتھ نے کھوکھلے لہجہ میں جواب دیا۔"یونہی! ایسے ہی"۔
بندو نے دکھ سے پوچھا" تم جہاں جانا چاہتے ہو وہ روکتے ہیں تمہیں؟"
"نہیں! نہیں جانے دیتے اس سے سسر کا درجہ کم ہو جاتا ہے۔ اُن کی ہتک ہوتی ہے"۔
بندو سمجھ گئی کہ ان باتوں سے بھیا کو دکھ ہو رہا ہے۔ اس لئے اس نے بات کا سلسلہ بدل کر کہا" بھیا! تم نے اپنی بہو نہیں دکھائی ابھی"۔
لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ بندو پھر بولی" کیسی بہو ملی ہے بھیا؟"
" اچھی ہے"
" تو کسی روز جا کر میں دیکھ آؤں؟"
کاشی ناتھ نے مُنہ اُٹھا کر بندو کے چہرہ کی طرف دیکھا پھر ہنس کر بولا" دیکھ آنا"۔
اتنے میں باہر سے گاڑی کی آہٹ سُنائی دی۔ بندو نے کہا
" معلوم ہوتا ہے تمہاری گاڑی آگئی ہے"۔
" ہاں! معلوم تو پڑتا ہے"۔ روانگی پر اس نے دریافت کیا۔" اب کب آؤ گی وہاں"۔
" کہاں؟"
" بہو دیکھنے"۔
" تمہیں جب فرصت ہو آکر لے جانا"۔ بندو نے متبسم لہجے میں جواب دیا
" کل آؤں؟" " ضرور آنا"۔
دوسرے روز کاشی ناتھ گاڑی لے کر خود آیا۔ بندو کے جانے وقت ہریہ بابو بھی کہیں سے آٹپکے۔ وہ آتے ہوئے دروازہ پر گاڑی کھڑی دیکھ چکے

تھے۔ کاشی ناتھ کی آمد کا بھی اندازہ لگا چکے تھے۔ اندر آتے ہی ماں سے پوچھا۔

"بندو کہاں جا رہی ہے؟"

"ذرا بہو کو دیکھنے۔"

"کس بہو کو؟ زمیندار کی لڑکی کو؟"

ماں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ ہری بابو نے انتہائی سنجیدگی اور متانت سے کہا۔

"بندو اگر وہاں گئی تو میں زندگی بھر اس کی شکل نہ دیکھوں گا!"

ماں نے متعجب ہو کر پوچھا

"کیوں؟ بھائی کی بہو دیکھنے جائے گی۔ اس میں کونسی بُرائی ہے؟"

"بُرائی بھلائی سمجھانے کی ابھی مجھے فرصت نہیں۔ ہاں اگر بندو آج وہاں گئی تو وہ لوٹ کر اس گھر میں داخل نہ ہو سکے گی"

ہری بھیا کی فطرت سے بندو اچھی طرح واقف تھی۔ اس نے چپکے سے لباس تبدیل کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ کاشی ناتھ کھڑا خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر اپنا سامان لیکر گاڑی میں آبیٹھا۔

شام کو کملا نے پوچھا

"کیوں نندجی نہیں آئیں؟"

کاشی ناتھ متزلزل آواز میں کہا

"بھیجا نہیں ان لوگوں نے۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔ شاید یہاں بھیجنے میں انہیں شرم محسوس ہوئی ہے!"

یہ بات کملا کے سینہ کی گہرائیوں میں اُتر گئی۔ اسے بہت دکھ ہوا

۳

کملا زمیندار ہریہ بابو کی اکلوتی لڑکی ہے۔ اُنہوں نے آغاز میں دو شادیاں کیں۔ لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دونوں بیویوں کے چل بسنے پر بہت دکھ اور ذہنی کوفت سے مجبور ہو کر اُنہوں نے تیسری شادی پچھلی عمر میں کی جس کا نتیجہ لڑکی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اولاد سے محروم والدین کے اولاد ہونے پر لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسی لئے کملا گھر کے آقا کی آقا اور مالکن کی بھی مالکن تھی۔ گھر میں کسی کو جرأت نہ تھی کہ اس کی بات قطع کر سکے یا اس کی مرضی کے برعکس حرکت ہو۔ کملا دولت مند۔ حسین عقیل۔ سلیقہ شعار اور ہونہار ہے۔ پھر بھی ایک آدمی کو اپنے قابو میں نہیں کر سکی۔ جسے اس جیسی ہوشیار لڑکی بھی بس میں نہ کر سکی۔ وہ تھا اس کا خاوند۔ کملا نے ہر ممکن کوشش کی۔ سب طریقے عمل میں لا کر دیکھے۔ برہم ہوئی۔ دکھ ظاہر کیا۔ خودداری کی نمائش کی۔ خدمت بجاتی رہی لیکن کسی طرح بھی وُہ اس کے دل پر نہ چھا سکی۔ قبضہ کرنا تو دور رہا وُہ اس کے تصورات کے قریب بھی نہ پھٹک سکی۔ ایک مفلس اور قلاش کس قدر بلند تخیل اور عمدہ جذبات لے کر اس کا خاوند بن بیٹھا ہے۔ اسے وہ کسی طرح بھی نہ جان سکی۔ ہر روز وُہ دونوں وقت پرارتھنا کرتی "ہے بھگوان ان کا دل مجھے عطا کر" لیکن لاحاصل کبھی کبھی وُہ محسوس کرتی۔ جیسے اس کے سینہ میں دل ہے ہی نہیں۔ اسی لئے وُہ اسے نہیں پا سکتی۔ کملا کے لئے اس کا خاوند ایک سربستہ راز تھا۔ ایک معمہ سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ سلجھنے کی بجائے لحظہ بہ لحظہ وہ مزید اُلجھتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی سوچتی کہ خاوند سے اس قدر محبت شاید کسی عورت

نے نہ کی ہو گی۔ پھر محسوس کرتی کہ اس جتنی بے رُخی شاید کسی خاوند نے روا نہ رکھی ہو گی۔ پھر بھی کملا کے دن کسی نہ کسی طرح بیتے ہی جا رہے تھے۔ صرف زندگی بار معلوم ہو رہی تھی۔ تو کاشی ناتھ کو۔ اسے جیون کا ٹنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ کتاب کھول کر بیٹھتا۔ تو بہت جلد اس سے اُکتا جاتا۔ خاموش بیٹھنا یوں بھی اب اس کے لئے مشکل تھا۔ اور کسی گفتگو میں بھی اسے کچھ دلچسپی نظر نہ آتی تھی اس کا سڈول جسم لاغر پڑنے لگا۔ گورا چہرہ زرد ہوتا جا رہا تھا۔ خاوند کی اس جسمانی تبدیلی پر کملا بہت پریشان ہوئی۔ پہلے اس نے عہد کیا تھا کہ اس موضوع پر کوئی بات نہ کرے گی۔ لیکن اس بات کو وہ نبھا نہ سکی۔ ایک دن خاوند کے آنے پر وہ اس کے پاؤں پر سر رکھ کر رونے لگی۔ کاشی ناتھ نے گھبرا کر اسے اُٹھانے کی خواہش کی لیکن ایسا نہ کر سکا۔

"کیا ہوا۔ رو کیوں رہی ہو؟"

کملا نے کچھ جواب نہ دیا۔ بہت دیر تک رونے کے بعد وہ اس کے پاؤں پر سر رکھ کر کہنے لگی۔

"تم مجھے بالکل مار ڈالو۔ اس طرح آہستہ آہستہ جلانے سے کیا فائدہ؟"

کاشی ناتھ متعجب ہو کر بولا۔

"کیا بات ہے؟ بتاؤ بھی تو۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

"کیا تم نہیں جانتے سب"

"کیا؟ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔"

"اور جو دل چاہے کرو۔ لیکن میرے کھڑے رہنے کے لئے تھوڑی سی جگہ تو رکھو۔ اور میں کچھ نہیں چاہتی۔"

اب کی بار کملا کو اُٹھا کر کاشی ناتھ نے قریب بٹھا کر بڑی محبت سے

پوچھا

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ مجھے واضح الفاظ میں کہو۔"

"تم دن بدن ایسے کیوں ہوتے جا رہے ہو؟"

"میرا جسم کیا بہت کمزور ہو گیا ہے؟"

کملا آنکھوں پہ آنچل رکھے رو رہی تھی۔ اسی حالت میں سسکتی ہوئی بولی

"ہاں! بہت ہو گیا ہے۔"

"یہ میں بھی محسوس کرتا ہوں۔ لیکن کروں کیا؟ یہ تم سمجھاؤ مجھے۔"

کملا نے منہ اُٹھا کر کہا

"علاج معالجہ کرو۔"

کاشی ناتھ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دوا سے میں شفا نہ پا سکونگا۔"

"تو کاہے سے پاؤ گے؟"

"یہ نہیں جانتا۔"

"دوا سے آرام نہ ہوگا۔ اور کس سے شفا پاؤ گے یہ بھی نہیں معلوم تو کیا میری تقدیر بالکل ہی جلا ڈالیگی مجھے؟"

کاشی ناتھ سنسکرت پاٹھ شالا میں پڑھا ہوا سیدھا سادہ آدمی۔ محبت اور الفت کی رسموں اور باتوں سے بالکل ناواقف۔ جذبات کے اُتار چڑھاؤ سے بے بہرہ۔ پھر بھی وہ فطری کشش سے بے بس ہو کر کملا کا ہاتھ پکڑ کر اس کی آنکھیں پونچھتا ہوا بولا۔

"یہاں مجھے سکون نہیں ملتا۔ اسی سے شاید ایسا ہوتا جاتا ہوں۔"

"تو پھر یہاں رہتے کیوں ہو؟"

"نہ رہوں تو کہاں جاؤں؟"

"یہاں کے سوا اور کیا کوئی جگہ نہیں کہیں؟ جہاں سکون مل سکے وہیں جا ٹھہرو۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"یہاں نہ رہوں تو سسر جی کو اچھا لگے گا کیا؟"

"اور اس طرح سوکھ کر کانٹا ہوتے جانا انہیں پسند آئے گا کیا؟"

"پسند تو نہیں آئے گا۔ لیکن اور تدبیر بھی کیا ہے۔ تمہارے پتا نے غریب دیکھ کر......" اور کملا نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر آگے کہنے سے روک دیا اور کہا۔

"چھی چھی۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھ سے سب باتیں کھول کر کہو میں کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ ہی نکالوں گی۔"

کاشی ناتھ نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد کچھ سوچ کر کہا۔

سب باتیں تم سے واضح الفاظ میں نہیں کہی جا سکتیں۔"

پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔

"یہ سب دیکھ سن کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ میرا اور تمہارا بیاہ نہ ہوتا تو بہتر تھا۔"

"کیوں"

"تم ہی بتاؤ۔ کیا مجھے پاکر تم ایک لمحہ کے لئے بھی سکھ پا سکی ہو؟ میں محبت کے مدوجزر سے ناواقف ہوں۔ پیار اور اس کی رسمیں نہیں جانتا۔ دراصل دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور اس عمر میں نہ جانے تمہارے دل میں کونسی امنگیں آرزوئیں اور جذبے پرورش پا رہے ہیں کیا ان میں سے ایک بھی

مجھ سے تکمیل ہوئی؟ جیسے میں تمہارا خاوند نہیں بلکہ اس کا سایہ ہوں"

کملا کے گالوں پر آنسوؤں کی پگڈنڈیاں سی بنتی گئیں وہ سب باتیں اچھی طرح نہ سمجھ سکی تھی۔ اس کے من میں ایک طوفان سا گھوم رہا تھا۔ ایک بات اس کے دل سے باہر نکلنے کے لئے بیتاب ہو رہی تھی۔ جیسے وہ بمشکل کسی دم گھٹا دینے والے کمرہ میں دبا کر رکھی گئی ہو۔ پوری قوت صرف کرنے پر وہ باہر نکل آئی۔۔

کانپتی ہوئی آواز میں کملا نے پوچھا۔

"کیا تم مجھے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کر سکتے؟"

"یہ بات پھر کبھی کہوں گا"

"نہیں! ابھی بتلاؤ۔ مجھ سے شادی کر کے کیا تم سکھی نہیں رہ سکے؟"

"کیا معلوم۔ شاید نہیں رہ سکا"

"اور کسی سے بیاہ کر کے خوش ہوتے؟"

"یہ بھی ٹھیک نہیں کہہ سکتا"

یہ سن کر کملا کے جسم میں چنگاریاں ناچنے لگیں۔ اتنے میں باہر سے نوکر نے آ کر کہا۔

"جیجی! اماں کو شدید حرارت ہو گئی ہے۔ وہ تمہیں بلا رہی ہیں"

کملا آنسو صاف کرتی ہوئی باہر نکل گئی

(۵)

کملا کی ماں کا وہ بخار اچھا نہیں ہو سکا۔ پندرہ روز تک تکلیف میں مبتلا رہ کر آخر میں سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس لوک سے چل دیں۔ بیوی کی جدائی سے ہربیناتھ بابو کو گہرا صدمہ پہنچا۔ اس بڑھاپے میں انہوں نے بھی سمجھ لیا کہ میں بھی چند دنوں کا مہمان ہوں اب کملا پہ ہی سارے گھر کا کاج کا بوجھ آ پڑا دنیا میں

اپنے مستقبل کی فکر کرنے کے علاوہ بھی آدمی کو بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں بہتر باپ بیمار رہنے لگے۔ اس لئے کملا اپنا بیشتر وقت ان کی قربت اور تیمارداری میں ہی بسر کرتی ——— اور کاشی ناتھ؟ ——— اس کی تو "تن لوک سے متھرا نیاری" تھی۔ موقعہ پاکر وہ کتب کا انبار لے کر دروازہ بند کرکے مطالعہ میں مستغرق ہو جاتا جب کتابوں سے دل اُکتا جاتا۔ تب گھومنے کے لئے نکل جاتا۔ کبھی کبھی دو دو تین تین روز تک گھر نہیں لوٹتا۔ کہاں کھاتا پیتا اور کہاں شب بسر کرتا اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر کملا ششدر رہ گئی۔ جوان ہونے پر بھی وہ ابھی بچہ ہی تھی۔ پتی پریم اور خاوند پرستی کو وہ مکمل طور پر سیکھ نہ سکی تھی۔ سب کچھ اچھی طرح جاننے میں مصروف ہی تو تھی کہ ایک رکاوٹ حائل ہو گئی۔ اور وہ بھی خاوند کی طرف سے ہی۔ اس میں اس کی خطا؟ جو کچھ سیکھا تھا۔ اسے آہستہ آہستہ بھولتی گئی۔ اس لمبے عرصے میں اس کے ذہن پر جو سونے کی چند لکیریں منقش ہوئی تھیں۔ وہ ابھی تک چمک بھی نہ سکی تھیں۔ بیرونی حسن اور خوبصورتی ابھی تک اندر منقش بھی نہ ہو سکی تھی کہ لاپرواہی سے ان کی دلکشی ماند پڑنے لگی۔ آخرکار وہ لکیریں بالکل مٹ گئیں کملا کچھ دھیان بھی نہ دے سکی۔ کبھی کبھی وہ دیکھتی کہ ایک شکستہ عمارت کی دو چار اینٹیں اور چند لکڑی کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں۔ مگر ان سب کو اکٹھا کرکے اور ترتیب دے کر از سرِ نو عمارت تعمیر کرنے کی نہ تو کسی کو فرصت تھی نہ ہی خواہش اور توفیق۔ ان ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں سے قبل یہاں ایک راجہ آیا۔ عیش و نشاط میں مشغول ہوا۔ خواب کے نشہ میں ہاں آیا اور کیفیت کے قطع ہوتے پھر چلا گیا۔ اب اسے اتنی خواہش بھی نہیں کہ اس خواب کو مکرر دیکھنے کی آرزو کر سکے۔ جو گیا وہ چلا گیا۔

بوڑھے باپ کی خدمت اور ملازموں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے اسکے دن

ایک طرح سے گرم سکھ میں بسر ہو رہے تھے۔ لیکن ایک کام میں جسے راحت اور سُکھ مُیسّر ہوتے ہیں دوسرے کو نہیں مل سکتے۔ کملا جو کچھ محسوس کرنے لگی بوڑھی خادمہ اس سے دل ہی دل میں کڑھنے لگی۔ آخر بہت کچھ سوچ سمجھ اور دیکھ سُن کر تنہائی میں اس نے پریہ ناتھ بابو سے کہا۔

"کنور جی نہ جانے کیسے ہوتے جا رہے ہیں۔ کبھی گھر پر رہتے ہیں۔ کبھی چل دیتے ہیں۔ کب کب کیا کیا کرتے ہیں۔ گھر والوں کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ بٹیا سے بھی شاید بات چیت نہیں کرتے"۔

پریہ بابو اپنے ہی شریر اور طبیعت سے بیزار رہتے تھے۔ ان سب باتوں کو مزید دیکھنا انہیں گوارا ہی نہیں تھا۔ بڑھیا کی بات سے انہیں زیادہ خیال ہو گیا۔ کملا کے آنے پر اُنہوں نے پوچھا۔

"بٹیا۔ جو کچھ میں دریافت کروں اس کا صحیح صحیح جواب دوگی نہ؟"

کملا باپ کے منہ کی طرف تکنے لگی۔ پھر بولی

"کس بات کا بابو جی؟"

"دیکھو بٹیا مجھ سے شرمانے کی کوئی بات نہیں مصیبت اور تکلیف میں باپ سے کوئی بات چھپانا بھی اچھا نہیں۔ سب باتیں صاف صاف کہہ دو میں خود تمام جھگڑا ختم کر کے جاؤں گا"۔

کملا چُپ رہی۔ کوئی جواب نہ پا کر انہوں نے پھر کہا۔

"تم سُکھی رہو اسی لئے تو تمہیں اچھے ہاتھوں سونپا ہے بٹیا۔ تمہارے سوا میرا اور کون ہے۔ تمہارے دُکھی ہونے پر میں مرنے پر بھی سُکھ نہ پا سکونگا"۔

اور بوڑھے باپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

کملا کی بھی یہی کیفیت تھی۔ پتا نے انتہائی شفقت اور محبت سے لڑکی کی

آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا

"سب باتیں مجھے صاف صاف نہ بتائے گی بیٹا؟"

لیکن کیسے کیا؟ کملا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بابو کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولے۔

"کچھ جھگڑا ہو گیا ہے ؟ کیوں؟"

کملا زیر لب ہنس کر بولی "جھگڑا ہو گیا؟ میل ہی کب تھا جو جھگڑا ہوتا"

سر ہلا کر جواب دیا

"نہیں"

"جھگڑا نہیں ہوا تو کیا اسے اچھی نہیں لگتی؟ کیا بات ہے آخر؟"

کملا کے دل میں ایک خیال تو پیدا ہوا کہ کہدے۔ ہاں یہی بات ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ ہو سکا۔ خاوند کو وہ عزیز نہیں۔ یہ کہنے کے لئے اس کا دل تیار نہ ہو سکا۔ اس پر چوٹ سی لگی۔ پریہ بابو نے سوکھے چہرہ سے پوچھا۔

"تو کیا تجھے ہی وہ پسند نہیں؟"

کملا سوچنے لگی۔ شاید یہی بات ہو۔ ممکن ہے وُہی مجھے نہ پسند ہوں۔ لیکن یہ کیسی بات ہے؟ مجھے اپنا پتی پسند نہیں؟ کملا نے لرز کر اپنے دل کے اندر تک جھانکنے کی سعی کی۔ دیکھا۔ وہاں کا سنگیت رُک چکا تھا۔ صرف بیچ بیچ میں ایک دو آدمی باقی ماندہ اشیاء سمیٹ لے جانے کے لئے آتے جاتے نظر آتے ہیں اور انہی کے ہاتھ کے باجے سے غیر ارادی طور پر حرکت سے کبھی کبھی ایک آدھ بار چونک اٹھتی ہے اور گاہے بگاہے ایک آدھ رقاصہ کسی گوشہ سے جھانک جاتی ہے۔ اور بس۔

"کملا نے رو کر آنچل سے آنکھیں چھپا لیں۔ پریہ بابو محجوب ہو کر بولے۔

"رو مت بیٹی"

"بابو جی جیسے ہم لوگ کسی کے کوئی بھی نہیں ہیں"

پربھا بانو نے آہستگی سے لڑکی کو کھینچ کر چھاتی سے لگا لیا۔ دھیرے دھیرے بہت ہی نرم آواز میں بولے۔

"چھی بیٹی! ایسی بات بھی کہیں کہی جاتی ہے۔ تو جس کی لڑکی ہے وہی میرا سب کچھ تھی۔ اب بھی وہ ہر روز رات کو میرے پاؤں کے قریب آ کر بیٹھی رہتی ہے۔ صرف تم لوگوں کے خوف سے دن کو نہیں آتی۔ شام ہو رہی ہے۔ اگر اس نے آ کر تیری باتیں سن لیں تو بہت دکھی ہوگی۔"

شام ہو چکی تھی کمرے میں تاریکی چھا رہی تھی کملا نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ ایک نظر گھمانے کے بعد کہ کوئی شخص موجود نہیں اسے اطمینان ہوا۔ جب وہ باہر آئی تو اس کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ جسم میں اس شدت کا ضعف محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے آدھا لہو نکال لیا ہو۔ کام کاج سے فارغ ہو کر وہ کاشی ناتھ کے اس کمرہ میں جا کر بیٹھ گئی۔ جہاں وہ زمین پر آسن بچھا کر جلتے ہوئے چراغ کی مدھم سی روشنی میں کتاب کھولے مطالعہ میں مصروف تھا۔ کاشی ناتھ نے آنکھ اٹھا کر کملا کو دیکھا۔ حیرت سے بولا۔

"تم آئی ہو کملا؟"

"ہاں! میں آئی ہوں۔"

"بیٹھو!" کہہ کر کاشی ناتھ پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ کملا بہت دیر تک خاوند کی مصروفیت دیکھتی رہی۔ اس کے بعد اس نے اپنے ہاتھ سے کتاب بند کر دی؟

کچھ بات چیت کرو۔ روز ہی تو پڑھتے ہو۔ ایک دن نہ پڑھو گے تو کوئی حرج تو نہ ہوگا۔"

"اسی لئے کتاب بند کر دی ہے؟"

"محض اسی لئے نہیں۔ تم برہم ہو کہ کچھ کہو سنو گے۔ اس لئے بھی"
کاشی ناتھ نے مسکرا کر کہا

"ناراض کیوں ہوں گا کملا۔ تم سے کبھی کوئی بات بھی کہی ہے میں نے؟ تم بولتیں نہیں۔ قریب نہیں آتیں۔ پھر پڑھوں نہیں تو بتاؤ دن کیونکر بسر کروں؟"

پھر ذرا ہنس کر بولا ـــ

"بخار آرہا ہے۔ آج دو دن سے کچھ کھایا پیا نہیں۔ لیکن تم نے تو ایک مرتبہ بھی خبر نہیں لی"

کملا نے منہ اٹھا کر دیکھا خاوند کا چہرہ بالکل سوکھ رہا تھا۔ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا خوب گرم تھا۔ تب وہ رو کر پتی کی آغوش میں آرہی شرم کے احساس سے اس نے مر جانے کی خواہش کی۔ روتے روتے بولی۔

"تم میرے گناہ اور لاپرواہیاں قبول کر ایک مرتبہ پھر مجھے اپنا لو۔ اور اپنا سارا بار مجھے اپنے کندھوں پر لے لینے دو"

"میں تو دے سکتا ہوں۔ لیکن کیا تم یہ بوجھ سنبھال بھی سکو گی؟"

"کیوں نہیں سنبھال سکوں گی؟"

"اچھا دیکھتا ہوں"

"مجھے اپنا لو"

"بہت دنوں سے اپنا لیا ہے۔ پر تم نے مجھے سمجھا ہی نہیں اور مستقبل میں بھی شاید صحیح طور پر نہ سمجھ سکو گی"

کملا نے چراغ کی لرزتی ہوئی مدھم روشنی میں اس چہرہ کو جی بھر کر دیکھا۔ ایک بار دل میں آیا جیسے اس چہرہ کے اندر راکھ میں لپٹی کانی آگ ہے۔ موم کے خلاف

ہیں بہت سا شہد موجود ہے۔ ایک لمحہ کے لئے جو خود کو بھول گئی اور جذبات کے طوفان میں بھی دھڑکتے ہوئے دل سے تیز آواز میں کہہ اٹھی۔

"مجھے اتنے دنوں تک پہچاننے کیوں نہیں دیا؟ کیوں تم خود کو چھپا کر مجھے اتنا ستاتے رہے؟"

وفور مسرت سے کملا خاوند کے گلے سے چمٹ گئی۔ کاشی ناتھ کی آنکھوں کی پلکیں بھی اس روز آنسوؤں میں ڈوب گئیں۔

(۲)

دوسرے روز ہریہ بابو کاشی ناتھ کو اپنے پاس بلا کر بولے۔

"بیٹا! میرا اب کیا بھروسہ! جانے کب چل دوں۔ میرا کوئی لڑکا بالا بھی تو نہیں جو کچھ زمین جائیداد چھوڑ جاؤں گا۔ سب تمہاری ہی ہے جتنے روز زندہ ہوں تم میرے سامنے ہی سب کچھ سمجھ سیکھ لو۔ ورنہ بعد میں کچھ نہ بچے گا۔ لوگ سب کچھ ٹھگ لیں گے۔"

کاشی ناتھ نے سر جھکا کر کہا

"ارشاد کیجئے"

بابو نے کہا۔ "اور کیا کہوں بیٹا۔ کل سے ہر صبح کم از کم ایک مرتبہ ضرور اپنی کچہری میں جا کر بیٹھا کرو۔"

"جیسی آپ کی اچھیا!" کہہ کر کاشی ناتھ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ ہریہ ناتھ نے لڑکی کو بلا کر کہا۔

"بیٹا! بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب کام کاج سنبھالتے بنتا نہیں اس لئے کاشی ناتھ کو سارا بار سونپ دیا ہے۔ آئندہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اس لئے آہستہ آہستہ سب باتیں سمجھاتا جاؤں گا۔"

کئی روز تک زمیندار بابو کاشی ناتھ کے ہمراہ کچہری میں جاتے رہے اور اسے زمینداری کی باتیں بہت اچھی طرح سمجھادیں۔ وہ بھی ایک کام پاکر بہت خوش ہوا۔ گھر میں اندر ہی اندر جو آگ سلگ رہی تھی بہت دن بعد جیسے اس کی حدت لمحہ بہ لمحہ کم ہونے لگی۔

کاشی ناتھ اب باقاعدگی سے زمینداری کا کام کاج دیکھتے کملا باقاعدگی سے گھر گرہستی کا بوجھ سنبھالنے لگی۔ اور ہریہ ناتھ بابو باقاعدگی سے بستر پر دراز تھے۔ اس طرح تینوں کی دُنیا بہت اچھی طرح چل رہی تھی۔ لیکن کچھ دن بعد ہی زمیندار بابو کی حالت بگڑنے لگی۔ ایک دن اُنہوں نے کملا کو بلا کر کہا۔

"میں نے وصیت نامہ لکھوایا ہے۔"

اور تکیہ کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر پڑھنے لگے ——— "میں اپنی تمام دولت کا نصف داماد کو اور باقی آدھا اپنی لڑکی کملا دیوی کو دیئے جاتا ہوں۔"

"کیوں بیٹی! ٹھیک ہے نہ؟"

"کملا نے کچھ جواب نہ دیا۔ ہریہ بابو حیران ہو کر بولے۔

"کیوں بیٹا! کیا تجھے پسند نہیں آیا؟"

یہ وصیت نامہ اُنہوں نے خاص طور کملا کو خوش کرنے کے لئے ہی لکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ دولت کا حق دار کاشی ناتھ کو بنا دینے سے کملا بہت خوش ہوگی۔ لیکن کملا جو کچھ سوچ رہی تھی۔ اسے منہ سے کہتے شرم محسوس ہو رہی تھی۔

ہریہ بابو نے پھر پوچھا۔

"کیوں کملا بیٹا۔ کچھ کہنا ہے کیا؟"

"کملا نے سر کی خفیف سی جنبش سے کہا "ہاں"۔"

"کملا بیٹی؟ کہو نہ"
کملا نے ذرا ادھر اُدھر کر کے کہا
"سب دولت میرے نام ہی لکھ دیجئے"
"کیا میں اس کا باعث پوچھ سکتا ہوں بیٹیا"
کملا مُنہ نیچے کئے بیٹھی رہی۔ ہر یہ بابو پُرانے آدمی ٹھہرے۔ اُنہوں نے ایک زمانہ دیکھا تھا۔ کملا کی بات ان کے دل سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ جوں جوں وہ ایک ایک بات ان کے ذہن میں اُترتی گئی اسی طرح آہستہ آہستہ ایک سنسنی سی ان کے جسم میں دوڑتی گئی۔ جس تکیے کا سہارا لے کر وہ بیٹھے تھے۔ اسی پر سر رکھ کر اُنہوں نے آنکھیں موندلیں اور لیٹ گئے۔
بہت دیر تک خاموش رہ کر آہستہ سے بولے۔
"تم میری اکلوتی لڑکی ہو۔ میں تمہارا جی دُکھانا نہیں چاہتا۔ ساری دولت میں تمہیں دے تو ڈالوں گا۔ لیکن یہ فعل حق بجانب قرار نہیں دیا جائے گا۔ میں آشیرواد دیتا ہوں کہ تم سُکھی رہو۔ لیکن اس کا بھروسہ مجھے بھی بہت کم ہے۔ اپنی لمبی زندگی میں میں نے بہت کچھ دیکھا سُنا ہے۔ خود بھی تین مرتبہ بیاہ کر چکا ہوں۔ ایسا ارادہ لیکر کوئی بھی عورت دُنیا میں کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔"
کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولے۔
"دیکھنے سننے میں اچھا رہے گا۔ تم بھی خوش ہو گی۔ یہ سوچ کر ہی میں نے دونوں کے نام نصف نصف جائداد لکھی تھی۔ جانتا تھا کہ تم اور وہ دونو جُدا جُدا نہیں ہو۔ اچھا یہ تو بتا بیٹی کہ کس لئے اسے دینے سے روک رہی ہے؟"
کملا نے نرم آواز میں کہا۔
"دولت مل جانے سے پھر کوئی مُنہ گھما کر میری طرف دیکھے گا بھی نہیں۔"

"اور دولت نہ ملنے پر"

"میرے ہاتھ میں رہیں گے!"

ہریہ بابو بولے ——— "میں کاشی ناتھ کو پہچانتا ہوں۔ لیکن تم اسے نہیں پہچان سکتیں۔ وہ عین اپنے باپ کی سی فطرت کا مالک ہے۔ اگر وہ تمہیں دیکھ نہیں سکتا۔ تو دولت مل جانے پر بھی پسند نہ کرے گا۔ اور دولت سے محروم ہونے پر بھی اس کی طبیعت کے رجحان میں کوئی انقلاب یا تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ اور سنو بیٹا۔ کیا اس طرح پتی کو قابو میں رکھا جا سکتا ہے؟ زور اور زبردستی سے جنگل کے شیر کو بس میں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک ننھا سا پھول بھی تو اس سے نہیں کھل سکتا۔"

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولے:-

"بھگوان سے دعا ہے کہ تم کامیاب رہو۔ لیکن یہ مستحسن طریقہ نہیں۔ اگر وہ تمہیں اپنا نہ بنا سکا تو باقی تمہارے پاس رہ ہی کیا جائے گا؟ جو رہ جائیگا اس کے لئے کیا لطف جائیداد کافی نہیں؟ ایک بات اور ——— خاوند کو جسم۔ دل۔ روح۔ جذبے اور عقیدے وغیرہ سب کچھ دے دیئے جاتے ہیں اور جیسے اپنی ہر شئے سونپ دی جاتی ہے۔ اسے کیا اپنی لطف دولت بھی نہیں دی جا سکتی؟ کملا! ایسا نہ کر بیٹی! اگر اسے کبھی معلوم ہو گیا۔ تو اسے بہت دکھ ہوگا۔"

کملا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہریہ ناتھ بابو نے بھی کوئی بات نہیں پوچھی۔ دونوں قریباً آدھ گھنٹے تک خاموش بیٹھے رہے۔ تاریکی سرکتی آرہی تھی۔ ملازمہ بتی روشن کر کے کمرے میں رکھ گئی۔ کملا بھی آنکھیں صاف کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

دوسرے روز اپنے وکیل کو طلب کر کے ہریہ ناتھ بابو نے کہا۔

"میں اپنا وصیت نامہ تبدیل کروں گا"

وکیل نے دریافت کیا "کیا بدلنے کا ارادہ ہے؟"

"داماد کا نام کاٹ کر میں اپنی ساری جائداد لڑکی کے نام منسوب کر دینا چاہتا ہوں"

"کیوں؟" وکیل نے حیرانی سے پوچھا

"اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسے کہتا ہوں ویسے لکھ دیا جائے"

(۷)

ہریہ بابو کی موت کے بعد شرادھ کی رسومات ختم ہونے پر وصیت دیکھ کر کاشی ناتھ کو ذرہ بھر بھی تعجب یا دکھ نہ ہوا۔

دنیا میں جو روزانہ ہوتا رہتا ہے۔ اور جو ہونا موزوں ہے وہی معرض وجود میں آیا۔ اس میں دکھ اور حیرانی کی کونسی بات ہے۔ پھر بھی دیوان صاحب نے کاشی ناتھ کو تخلیہ میں لے جا کر کہا

"کنور جی! بابو صاحب ایسی وصیت بھی کر جائیں گے یہ تو میں نے خواب بھی نہیں سوچا تھا۔ پہلے انہوں نے ایک وصیت تحریر کی تھی۔ جس میں آپ کو اور لڑکی کو دونوں کو مساوی طور پر جائیداد تقسیم کی تھی۔ اسے کیوں تبدیل کر دیا۔ کس کے مشورہ سے یہ تجویز پلٹ دی گئی میری سمجھ میں نہیں آسکیں۔ یہ سب باتیں"

کاشی ناتھ نے مسکرا کر کہا۔

"سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جس کی دولت تھی اُسے مل گئی۔ اس میں میرا کیا اور آپ کا کیا؟"

دیوان جی حیران سے ہو کر بولے "تو ـــــ بھی ـــــ تو ـــــ بھی"

"تو بھی کی تو اس میں گنجائش ہی نہیں۔ درحقیقت غور کیا جائے تو اس پر میرا حق بھی کیا ہے۔ بلکہ تعجب تو جب ہوتا اگر وہ مجھے نصف دولت دے ڈالتے۔ اور پھر مجھے آدھی دے جاتا یا ـــــ اسے پوری دینا ـــــ دونوں ایک ہی بات ہے ـــــ ان میں فرق ہی کیا ہے؟"

دیوان صاحب اور بھی حیران ہو کر بولے

"نہیں نہیں! فرق کچھ نہیں ہے۔ میں تو محض بابو صاحب کی بات کہہ رہا ہوں۔ ان کا مطلب میں خوب پہچانتا تھا۔ اسی لئے میں نے یہی بات کہی تھی!"

"انہوں نے تو اپنا فریضہ نبھایا ہے۔ سوچئے۔ کہ عورت کے لئے خاوند کے سوا اور کہاں جگہ ہے؟ مگر خاوند کے لئے تو یہ پابندی نہیں۔ میں مفلس ٹھہرا۔ یک لخت اتنی دولت پا کر نتیجہ اچھا نہ نکلے گا۔ شاید اسی خدشہ کے پیش نظر انہوں نے وصیت بدلوا دی ہے"

بوڑھے دیوان کاشی ناتھ کو محض ایک نادان پنڈت سے زیادہ کچھ نہ سمجھتے تھے۔ اس کے منہ سے عقلمندی کی باتیں سن کر وہ اسے داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس طرح بذرگ دیوان آہستہ آہستہ کاشی ناتھ کی دانائی کی باتیں پھیلانے لگے۔ اور دوسری طرف رفتہ رفتہ کملا پر ان کی نادانی اور ناواقفیت منقش ہوتی گئی۔ دن میں صدہا مرتبہ وہ دل ہی دل میں سوال کرتی ـــــ "وہ ہیں کیسے آدمی" اور ناکام سوال اتنی بار ہی منہ لٹکائے واپس لوٹ آتا اور کہتا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آتا"

ہزار کوشش اور بہتیری غور و فکر کے بعد بھی کملا یہ نہ جان سکی کہ یہ دو

ہاتھ پیروالا آدمی آخر ہے کس چیز کا بنا ہوا؟ اس نے اپنا من اپنے جسم میں رکھ چھوڑا ہے یا کہیں اور پٹک دیا ہے؟ اتنا تو وہ بھی دیکھتی ہے کہ اس کا خاوند بھی اسی طرح کرتا ہے۔ جیسے باقی دُنیا ——— کھاتے ہیں، سوتے ہیں۔ زمینداری کا کام دیکھتے ہیں۔ گھر کی دیکھ بھال اور سبھی کچھ کرتے ہیں۔ سب کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں اور بیزار بھی رہتے ہیں۔ اس بات کو وُہ آج تک نہیں سمجھ سکی تھی۔ کہ آخر اس کے پتی کو کیا مرغوب ہے؟ کونسی شے پسند ہے۔ کون سی چیز عزیز ہے؟ کملا جب کبھی بیمار پڑتی تو کاشی ناتھ اس کے قریب بیٹھا آنکھوں ہی آنکھوں میں رات گزار دیتا۔ اس کے دل میں اتنی محبت اس قدر کشش اور جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے جیسے وہ ابھی اچھل کر باہر آ کر گر گئی۔ لیکن روبصحت ہونے پر اور ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہونے پر اگر وہ سامنے بھی پڑی رہے تو بھی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے کچھ پرواہ نہیں کرتے اپنی دھن میں مست اور کام میں مشغول رہتا ہے۔ کملا نے رُوٹھ کر دو دو دن تک بولنا ترک کر دیا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کاشی ناتھ قریب آیا اور فوراً لوٹ گیا۔ نہ رویا نہ منایا اور نہ ہی بات کی۔ پھر کملا بولنے لگی۔ تو وُہ بھی اسی طرح متبسم لہجہ میں گفتگو کرنے لگا۔ نہ کوئی خُفگی ظاہر کرتی اور نہ ہی یہ دریافت کرتا کہ دو دن تک تم کیوں نہ بولیں؟ کس لئے خفا تھیں۔

کملا نے چند یوم بعد اپنے دل میں کافی سوچ بچار کے بعد طے کر کے ایسا رُخ اختیار کر لیا جیسے وُہ اپنے من اور اداس خاوند کو یہ جتلا دینا چاہتی تھی۔ کہ تم میری پرواہ نہیں کرتے تو میں بھی تم سے بے نیاز رہنا چاہتی ہوں۔ اور اس قدر تم سے بھی پیار نہیں کرتی۔ کہ تم چلتے جاؤ۔ روندتے رہو اور میں تمہارے پاؤں سے لپٹی جاؤں۔ خاوند سے مُلاقات ہوتے ہی کملا مُنہ گھما کر سنجیدگی

سے اپنے کام میں مصروف ہو جاتی جیسے وہ دکھلانا چاہتی تھی۔ کہ تم پر مہربانی کر کے اپنا خانہ بنایا ہے۔ اس کا مطلب یہ مت تصور کرنے ناکہ تمہارے ہی پاؤں میں میری زندگی ہے۔ اور اسی لیئے تم سے سامنا ہوتے ہی میٹھی مسکراہٹ سے گفتگو شروع کر دوں گی۔ میری مشغولیت میں اگر میرے آگے آئے۔ تو میں بھی نگاہ اٹھا کر نہ دیکھوں گی۔

کملا جب کسی خدمتگار یا ملازمہ کو لعن طعن کرنے لگتی اور اتفاق سے اس وقت کاشی ناتھ کے منہ سے بات نکل جائے۔ تو اسے سنی ان سنی کر کے کملا اسی رفتار سے اسے پھٹکارتی جاتی۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ میرے خدمتگار ہیں میری نوکرانیاں ہیں۔ میرا مکان ہے۔ میری طبیعت میں جو آئے گا۔ وہی کرونگی اپنے میں۔ روکنے والے کون ہوتے ہو؟

مگر اس سے کیا بات ختم ہو سکتی ہے یوں بھی بھلا کبھی آرزو پوری ہوئی ہے؟ ہاں دلی خواہش تب مکمل ہوتی اگر وہ کاشی ناتھ کو اس جگہ سے ہلا سکے۔ کوئی کچھ بھی کرتا رہے وہ اپنے پرسکون متین اور شانت چہرہ سے واضح صورت میں ظاہر کر دیتا۔ کہ میں بہت مضبوط ہوں ہمالہ کی چوٹی کی طرح میری فطرت کو خفیف سی جنبش دینے کی قوت بھی تم لوگوں میں نہیں ہے۔ جتنا چاہو طوفان اور ہنگامے برپا کرو جتنا دل چاہے میرے خرمن امن کو تباہ و برباد کرتی رہو مجھے تم بالکل نہیں ہلا سکتیں۔

اچھا۔ تو کیا کملا محبت نہیں کرتی؟ ضرور کرتی ہے لیکن اس کی الفت گہری اور وسیع نہیں۔ جیسے وہ لکیر کھینچ کر کہنا چاہتی ہے کہ تم اسے مت عبور کرو۔ اس سے پرے جاؤ گے۔ تو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔ ممکن ہے تب بھی میں تم سے پیار کر دوں گی۔ لیکن تمہارے مرتبہ کی حفاظت نہیں

کر سکو گی۔

ایک روز معمر خادمہ کے سامنے اپنی محبت کا تذکرہ کیا۔ اور رونی آواز میں کہا

"بابو جی مجھے ایک جانور کے ہاتھوں میں سونپ گئے ہیں"

"وہ کیسے بیٹا؟"

"مجھ سے پوچھ رہی ہو کیسے؟ تم سب نے مل کر ہاتھ پاؤں باندھ کنوئیں میں کیوں نہ دھکیل دیا!"

"ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے بیٹا"

"کیوں نہ کہوں؟ تم لوگ جس کام کو کر سکیں اسے میں ایک مرتبہ زبان سے کہہ بھی نہیں سکتی؟"

"نہیں نہیں یہ بات نہیں۔ وہ تو بڑے اچھے آدمی ہیں۔ لیکن ہاں! ذرا ذہنی توازن کچھ کچھ بگڑ گیا ہے۔ باپ میں بھی کچھ کچھ موجود تھا۔ اسی لئے کنور جی میں......"

"تو چپ رہ... پاگلوں کی سی بات منہ سے مت نکال۔ باپ کے دیوانہ ہونے پر بیٹا بھی پاگل نہیں ہو جاتا۔ پاگل قطعی طور پر نہیں ہیں۔ جان بوجھ کر مجھے ستاتے ہیں"

پتی پاگل ہیں یہ بات سوچتے ہوئے اور تسلیم کرتے وقت اس کے دل کو ٹھیس لگتی تھی۔

× × × × × × ×

آج تین روز ہو گئے کاشی ناتھ کا پتہ نہیں لگ سکا۔ دو روز تک تو کملا نے جان بوجھ کر سدھ بدھ نہ لی لیکن تیسرے روز گھبرا کر دربان سے

کہلا بھیجا —————

"بابو دو دن سے گھر نہیں آئے۔ تم لوگوں نے بھی کوئی خبر نہیں لی تو پھر تم سب یہاں کس لئے ہو؟"

دربان سوچنے لگا۔ "واہ یہ بھی خوب کہی۔ کون کہاں گیا آیا اس کی اطلاع بھلا ہم کیوں کر فراہم کر سکتے ہیں۔"

بعد میں خزانچی سے معلوم ہوا۔ کہ کنور جی تین ہزار روپیہ لے کر کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ کہاں گئے ہیں اور کب لوٹیں گے۔ کسی سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔

کملا کچھ دیر تو پیشانی پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔ پھر اپنے پتا کے وکیل کو بلا کر کہا۔

"میری زمینداری کا کاروبار سنبھالنے اور انتظام کرنے کے لئے ایک ہفتہ کے اندر اندر کسی قابل آدمی کو تعینات کر دیجئے جتنی تنخواہ وہ طلب کرے گا میں دونگی۔"

——— (۸) ———

کاشی ناتھ کلکتہ پہنچا اور تمام دن بارش میں بھیگتا۔ گھنٹوں بھر پانی اور کیچڑ پار کرتا ہوا شام کے وقت چھوٹی سی گلی کے ایک یک منزلہ مکان میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں دوائی کی دو شیشیاں ایک ڈبہ بسکٹ اور چادر میں کچھ پھل وغیرہ بندھے ہوئے تھے۔

اسی مکان کے ایک کونہ میں ایک مریض بستر پہ دراز تھا۔ اس کے قریب ہی ایک عورت بیٹھی اس کے زرد ماتھے پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ کاشی ناتھ کے داخل ہوتے ہی اس نے تیزی سے کہا۔

"کاشی بھیّا! اتنی برسات میں بھیگتے ہوئے کیوں چلے آئے۔ کہیں رُک کیوں نہیں گئے؟"

"یہ کیوں کر ممکن تھا بہن۔ پانی میں بھیگنے سے اس قدر نقصان نہیں ہُوا جس قدر رُکنے سے ممکن تھا۔

بندو نے سوچ سمجھ کر دیکھا۔ کاشی بھیّا غلط نہیں کہہ رہے تھے۔ اسلئے وہ خاموش ہو رہی۔

گذشتہ چند برسوں سے بندو جو دُکھ سہتی آئی ہے اسے وہ ہی اچھی طرح جان سکتی ہے۔ ہم لوگوں نے اسے اس کے میکہ میں ہی دیکھا پھر نہیں دیکھ سکے۔ اب ذرا اس کے متعلق بھی کچھ کہہ ڈالنا ضروری ہے۔ جس روز وہ زمیندار بابو کی لڑکی کو دیکھنے کے لئے جانے کی ساری تیاریاں کر کے بھی نہ جا سکی تھی۔ اس سے اگلے روز ہی اچانک اپنے سسر گوپال بابو کی شدید علالت کی خبر پا کر اسے سسرال لوٹ آنا پڑا۔ اس نے آکر دیکھا۔ اس کے سسر کی واقفیت واقعی تشویشناک تھی۔ سب نے مل کر حسب توفیق علاج کرا دیا۔ لیکن انہیں کسی طرح بھی بچایا نہ جا سکا۔ بیماری کے خطرناک مرحلہ پہ پہنچ جانے پر گوپال بابو نے کہا۔

"چھوٹی بہو کو ذرا میرے قریب بلا لاؤ۔ اسے ایک مرتبہ دیکھوں گا۔"

چھوٹی بہو ہماری بندو واسنی ہی ہے۔ مرنے سے ایک دو روز قبل گوپال بابو نے بندو سے کہا۔

"بیٹا۔ یہ لو چابی۔ اس صندوق میں جو کچھ ہے وہ تمہیں دیتا ہوں۔"

بندو نے ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا۔ دوسری بہو ڈل نے سمجھا کہ بوڑھے بابا مرتے وقت سب کچھ ہی بندو کو دے گئے ہیں۔ ایک بات اور بھی تھی

گوپال بابو نے بیماری کی حالت میں ہی ایک روز اپنے چاروں لڑکوں کو قریب بُلاکر کہا تھا۔

"دیکھو بیٹو۔ تم لوگوں کا آپس میں بھائی بھائی کا بالکل میل نہیں ہے۔ اور تمہاری ماں بھی زندہ نہیں ہے۔ اس لئے میری موت کے بعد تم ایک گرہستی میں مت رہنا۔ جھوٹ موٹ جھگڑا فساد کرنے سے پہلے ہی جو کچھ مروت باقی ہے۔ اسے لے کر ابھی الگ ہو جاؤ۔ جو کچھ میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اس کے علاوہ تھوڑا بہت اور کما لینے سے تمہاری گذر اوقات ہو سکے گی"۔

باپ کے چل بسنے پر چاروں بھائی علیحدہ ہو گئے۔ بندو نے ایک روز وہ صندوق کھولا۔ تو اس میں ایک راماین اور مہا بھارت کے سوا اور کچھ بھی برآمد نہیں ہوا۔ امید کے یاس میں تبدیل ہونے پر بھی بندو نے اسے مرحوم سسر کی عنایت تصور کر کے سر آنکھوں پر جگہ دی۔ اور اسے ہی اپنے لئے سب کچھ سمجھ لیا۔

بندو کے کچھ دن تو بہت آرام سے کٹ گئے۔ لیکن بعد میں مصائب کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے پتی یوگیش بابو بیمار پڑ گئے۔ اس نے اپنی زندگی کی پرواہ نہ کر کے روح کی پوری قوتوں سے خاوند کی خدمت شروع کی۔ زمین رہن رکھ کر علاج شروع کیا۔ لیکن کسی طرح بھی افاقہ نہ ہو سکا۔ گاؤں کے پڑوسیوں نے مشورہ دیا۔ کہ کلکتہ جا کر علاج معالجہ کروانا چاہیئے تب بندو نے اپنے تمام زیورات فروخت کر کے خاوند کو ہمراہ لے کر کلکتہ چلی آئی۔ یہاں رہ کر کئی طرح کے علاج کئے گئے۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ جو تھوڑی بہت زمین گاؤں میں رہ گئی تھی۔ وہ بھی گروی رکھ دی گئی

لیکن مرض بدستور جاری تھا۔ روپیوں کی کمی کے باعث علاج کی باقاعدگی اور عمدگی میں بھی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔ بندو نے اپنے بڑے جیٹھ کو سب حال لکھ بھیجا۔ لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اُنہوں نے جواب تک نہ دیا۔ پھر اس نے ان سے چھوٹے دونوں کو خطوط لکھے۔ لیکن انہوں نے بھی بڑے بھائی کی طرح خاموشی اختیار کر لی۔ بندو نے سمجھ لیا۔ کہ اب یا تو فاقوں کی نوبت آئے گی۔ ورنہ زہر کھا کر خودکشی کرنی پڑے گی۔

بیوی کا چہرہ دیکھ کر ہی یوگیش بابو سب کچھ جان جاتے۔ ایک روز بندو کو قریب بُلا کر بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بندو! مجھے گاؤں لے چلو۔ مرنا ہی ہے تو وہیں مریں گے۔ یہاں مرے تو ٹھکانے لگانے والا بھی کوئی نہ ہوگا"

اب بندو نے محسوس کیا کہ موت یقینی ہے۔ اور کوئی صورت ہی نظر نہ آتی تھی۔ خاوند کو گاؤں لے جانے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لیکن خاوند کو ایسی حالت میں چھوڑ کر وُہ مر بھی کیسے سکتی ہے۔ اور اگر اسے اپنی زندگی ختم ہی کرنی ہے۔ تو فضول شرم اور جھجک سے کیا حاصل؟ بہت غور و فکر کے بعد شرم و حیا و ہچکچاہٹ کو بالائے طاق رکھ کر اس نے کاشی ناتھ کو خط لکھا۔ بعد کا سب حال آپ کو معلوم ہی ہے۔

آتے وقت کاشی ناتھ کافی روپیہ ہمراہ لایا تھا۔ اس روپیہ سے اس نے شہر کے بہترین ڈاکٹروں سے مشورے کئے۔ اور سب نے یہی رائے دی کہ آب و ہوا تبدیل کئے بنا صحت یاب ہونا بہت مشکل ہے۔ کاشی ناتھ سب کو ساتھ لے کر دیدیا ناتھ چلا آیا۔ دو ماہ کی خدمت اور تیمارداری کے بعد سب نے سمجھ لیا کہ اب کی بار یوگیش بابو موت کے مُنہ سے نکل آئے

ہیں۔ پھر بھی وہاں سے لوٹنے میں ابھی کافی وقت تھا۔ اسی لئے کاشی ناتھ انہیں وہیں چھوڑ کر واپس چلا آیا۔

× × × × ×

علی الصبح ہی کملا سے سامنا ہونے پر اس نے پوچھا۔

"کب آئے؟"

"رات کو"

کملا اپنے کام سے چلی گئی۔ کاشی ناتھ باہر نکل کر کچہری میں آیا۔ بہت روز بعد بابو کو دیکھ کر سب لوگ یک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن ایک انگریزی پوشاک میں ملبوس نوجوان اپنے کام میں مست کرسی پر ڈٹا بیٹھا رہا۔ ایک اجنبی کو دیکھ کر تمام لوگوں نے جو تعظیم کی۔ اسے وہ بابو شاید دیکھ نہیں سکا۔ کاشی ناتھ خود آرام کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔ نئے مینجر کا نام وجے کشور داس تھا۔ کلکتہ سے بی اے کیا۔ کام کاج میں بہت ہوشیار ہیں اسی لئے وکیل ونود بابو نے اسے اس عہدہ پر تعینات کر دیا تھا۔ مینجر نے بہت دیر بعد کاشی ناتھ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"آپ کس کام سے آئے ہیں؟"

"نہیں کام تو خاص کچھ نہیں۔ یونہی کام کاج دیکھنے چلا آیا تھا"

اب دیوان صاحب نے اٹھ کر کہا۔

"آپ ہمارے داماد ہیں"

وجے بابو نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کیا۔ اسی اثنا میں ایک ملازم نے آکر کہا۔

"اندر آپ کو مالکن بلا رہی ہیں"

وجے بابو کے چلے جانے پر کاشی ناتھ نے دیوان صاحب سے پوچھا

"یہ کون ہیں؟"

"نئے مینجر"

"کس نے مقرر کیا ہے انہیں؟"

"بیٹی کملا نے۔"

"کیوں؟"

"شاید کام کاج ٹھیک نہیں ہو رہا تھا اس لئے"

"اب کہاں گئے ہیں؟"

"اندر کوٹھی میں۔"

کاشی ناتھ مزید کچھ دریافت نہ کر کے اندر چلا گیا۔ دیکھا کہ ایک کمرہ میں پردہ کے سامنے وجے بابو کھڑے ہیں۔ اور اس کے عقب میں کوئی نرم آواز میں گفتگو میں مشغول ہے۔ کہیں کی بات جاری ہے۔ یہ کاشی ناتھ سمجھ گیا۔ لیکن وہ ادھر دیکھے رُکے یا توجہ دئیے بغیر اپنی دُھن میں آگے بڑھ گیا۔

دوپہر کو پھر کملا سے مُلاقات ہوئی۔ کملا نے متانت سے پوچھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

کاشی ناتھ نے اسی طرح جواب دیا۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

اور کملا چلدی۔ رُک کر بات چیت کرنے یا گپ ہانکنے کے لئے اُسے فرصت ہی کہاں تھی۔ ہزاروں کام موجود ہیں۔ خصوصاً زمینداری کا بوجھ اُٹھا لینے پر تو اسے دم لینے کی بھی مہلت نہ تھی۔ ایک روز صبح ہی کاشی ناتھ نے مینجر کو بلا بھیجا۔ ملازم کی معرفت اس نے کہلوا بھیجا۔

"ابھی فرصت نہیں ہے۔ وقت ملتے ہی آؤں گا۔"

تب کاشی ناتھ بابو نے خود کچہری جا کر ڈچے بابو کو الگ لیجا کر کہا۔

"آپ کو فرصت نہیں تھی اس لئے میں خود ہی چلا آیا۔ آج مجھے ۵۰۰ روپیوں کی ضرورت ہے۔ فرصت ملتے ہی بھجوا دیجئے گا۔"

"کس مقصد کے لئے درکار ہیں؟"

"یہ جاننے کی آپ کو ضرورت نہیں۔"

"مانا کہ نہیں ہے۔ لیکن مالک کی اجازت کے بغیر میں کیسے دے سکتا ہوں۔"

کاشی ناتھ سمجھ گیا کہ بات کچھ اور ہی ہو گئی ہے۔ بولا۔

"میرا کہنا ہی شاید کافی ہو گا۔ دوسری اجازت کی بھی ضرورت ہے کیا؟"

ڈچے بابو نے مستقل مزاجی سے کہا "ہاں ہے۔ ہر شخص کو روپے دینے کی ممانعت ہے۔"

کاشی ناتھ نے کملا سے مل کر کہا۔

"تم اپنے نئے آدمی کو الگ کر دو۔"

"کسے؟"

"جو تمہارا اپنا منیجر بن کر آیا ہے۔"

"کیوں! اس سے کیا قصور سرزد ہوا؟"

"میں نے بلایا تو اس نے خود نہ آ کر نوکر سے کہلوا بھیجا مجھے فرصت نہیں جب ہو گی آؤں گا۔"

کملا نے ہنستے ہوئے جواب دیا

"ممکن ہے اسے فرصت نہ ہی ہو۔ فرصت بغیر کیونکہ ملاقاتی ہوتا۔"

کاشی ناتھ نے بیوی کے چہرہ کی طرف تکتے ہوئے کہا

"مان لیا کہ فرصت نہیں تھی اس لئے نہ آسکا۔ لیکن جب میں نے خود جاکر روپے طلب کئے۔ تو کہنے لگا۔ کہ مالک کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتا۔"

کملا نے اور بھی مسکرا کر پوچھا۔

"کتنے روپے مانگے تھے؟"

"پانچ سو"

"نہیں دیئے؟"

"نہیں! تم نے کیا مجھے روپے دینے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔"

"ہاں! اس طرح روپیہ اڑانا میں نہیں پسند کرتی۔"

کاشی ناتھ کو ——— بیخبر کا ہونے پر بھی ——— بہت دکھ ہوا ایسا سلوک اور ایسی باتیں اس نے بیشتر ازیں نہ سُنی تھیں۔ کانپتی ہوئی آواز میں اس نے کہا

"مجھے دے دینا کیا اُڑا دینا ہے؟"

"کسی طرح بھی ہو۔ تباہ کرنے کا نام ہی تو اُڑانا ہے۔"

"ضرورت پڑنے پر خرچ کرنے کا نام اُڑانا یا تباہ کرنا نہیں ہے۔"

"کس مقصد کے لئے درکار ہیں؟"

"کسی کو دینا ہے"

"دنیا تو ہے لیکن پاؤ گے کہاں سے؟ خود تمہارے پاس ہوں تو بصد شوق دو جاکر ——— مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

کاشی ناتھ خاموش رہا۔ یہ الفاظ اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ بن کر اتر گئے۔ باہر آکر اس نے اپنی گھڑی اور انگشتری وغیرہ فروخت کر کے ۵۰۰ روپے وید ناتھ کو روانہ کر دیئے اور ساتھ ہی لکھ دیا۔

"اب مت منگوانا بہن ـــــ اب میرے پاس مزید کچھ نہیں ہے۔"

اس روز سے کاشی ناتھ اندر ہی گھٹ گیا۔ کملا نے بھی کوئی توجہ نہیں دی اس طرح کئی روز بیت گئے۔ ایک روز ملازم نے آ کر کہا۔

"آپ سے ایک برہمن ملاقات کا طالب ہے"

دوسرے لمحے ہی کاشی ناتھ نے حیرت سے دیکھا کہ ایک بوڑھا برہمن ہاتھ میں جنیئو تھامے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔

"آپ بڑے آدمی ہیں۔ مجھ غریب برہمن کا سب کچھ نہ چھینئے۔"

کاشی ناتھ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا

"کیا ہوا ہے"

براہمن نے کہا

"پرماتما نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ لیکن میرے پاس اتنی ہی زمین کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اسے مت چھڑایئے۔ اور اس کی آنکھیں بے تحاشا آنسو برسانے لگیں۔"

کاشی ناتھ نے ہمدردی سے براہمن کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب بٹھایا اور پوچھا "پوری بات صاف صاف کہو"

براہمن نے روتے روتے جواب دیا

"آپ دھرماتما آدمی ہیں۔ حلف اٹھا کر کہیئے کہ کھشیتر پال والی زمین بری نہیں ہے؟"

"کون کہتا ہے کہ آپ کی نہیں ہے"

"تو پھر وجے بابو نے — آپ کے نئے مینجر نے مجھ پر دعوے کیوں دائر کر دیا ہے؟"

"دعوے کیوں کیا ہے اس نے؟ مجھے تو کچھ معلوم نہیں"

سمن دکھاکر برہمن بولا۔

"جب مقدمہ کیا گیا ہے تو میں بھی لڑوں گا اور آپ کو گواہ بناؤنگا۔ میں غریب آدمی ہوں آپ سے لڑنا مجھے زیب نہیں دیتا۔ تاہم بھکاری ہونے کے باعث اپنی دولت بنا عذر کئے نہ دوں گا"

براہمن کو برہم ہو کر جاتے دیکھ کر کاشی ناتھ نے اسے پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا "آپ کے مفاد کے لئے میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔ پھر آپ کی جو مرضی ہو کیجئے گا"

کاشی ناتھ نے براہمن کو روانہ کر کے وجے بابو کو پکار کر کہا

"وہ زمین تو اپنی نہیں ہے۔ پھر براہمن کو خواہ مخواہ کیوں تنگ کیا جاتا ہے؟"

"مالک کا حکم ہے"

کاشی ناتھ نے غصہ سے کہا

"مالکن نے کیا دوسروں کا حق غصب کرنا ہی سکھایا ہے تمہیں؟"

"وہ ہم لوگوں کی چیز ہے"

"نہیں ہماری نہیں ہے"

وجے بابو کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے "میں تو محض ملازم ہوں۔ جیسا حکم ہوا ہے۔ اس کی تعمیل ہوگی"

یہ بات کملا سے کہنے میں کاشی ناتھ کو شرم محسوس ہوتی تھی۔ پھر بھی اس نے کہا

"یہ زمین تمہاری نہیں ہے۔ براہمن کا سب کچھ مت چھینو۔"

"چھین رہی ہوں یہ کس نے کہا تمہیں۔"

"کسی نے بھی کہا ہو۔ وہ زمین تمہاری نہیں ہے وجے بابو کو منع کردو وہ جھوٹا مقدمہ نہ لڑے۔"

کملا نے ناخوش ہو کر جواب دیا

"وجے بابو کام کے آدمی ہیں۔ وہ اپنے فرائض کو سمجھتے ہیں۔ ان کے کام میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔"

کئی روز بعد مقدمہ کی پیشی ہوئی۔ گواہ کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر کاشی ناتھ نے کہا۔

"میں اپنے سسر مرحوم ہریناتھ بابو کے وقت سے زمینداری کی دیکھ بھال کرتا آرہا ہوں۔ اور ان کے بعد بھی میں نے خود کئی روز تک کام سنبھالا ہے مجھے معلوم ہے کہ وہ زمین کملا دیوی کی نہیں ہے۔"

وجے بابو مقدمہ میں شکست پاکر سوکھا سا منہ لے کر گھر لوٹ آئے۔ براہمن بھی دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے اشیرواد دیتا ہوا اپنے گھر لوٹ آیا۔

(۹)

پردہ کے سامنے کھڑے ہو کر وجے بابو نے مقدمہ کی تفصیل بڑے دکھ سے بیان کرتے ہوئے بعد میں اپنی طرف سے اس پر تنقید اور تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"محض کنور صاحب کی عنایت سے ہی ہم یہ مقدمہ ہار گئے۔ اس کے بعد

پردہ کے پیچھے بہت دیر تک چپ رہی پھر آہستہ سے کملا نے کہا۔" آپ اندر آجائیے بہت سی باتیں کہنی ہیں۔" دجے بابو اندر داخل ہوئے۔ دونوں میں بہت دیر تک دھیرے دھیرے باتیں ہوتی رہیں۔ اور پھر دجے بابو واپس چلے گئے۔"

آج بہت روز بعد کاشی ناتھ کے کھانا کھاتے وقت کملا اس کے قریب آ بیٹھی اب چہرہ پر پہلے کے سے جذبات موجود نہیں تھے۔ منہ پر متانت اور شانتی چھا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد کملا نے کہا

"گھر کے بھیدی کی جنبش سے سونے کی لنکا تباہ و برباد ہو گئی تھی۔ جانتے ہو؟" کھانے کھاتے کاشی ناتھ بولا۔" ہاں جانتا ہوں۔"

"ہاں جانو گے کیوں نہیں۔ وہ بھی تو دوسروں کے ان سے پل کر جوان ہوا تھا۔"

کاشی ناتھ کچھ نہ بولا۔

کملا نے ایک توقف کے بعد پھر کہا۔

"اسی لئے سوچتی ہوں کہ جو ہمیشہ سے دوسروں کی روٹیاں کھا کر اتنا بڑا ہوا ہے۔ اب بھی دوسروں کے آسرے پر رہے بنا جس کے لئے کوئی چارہ نہیں اسے سچ بات کہنے کی خواہش کیوں ہو۔ اتنا غرور کس بات پر؟"

کاشی ناتھ خاموشی سے لقمے اٹھا کر منہ میں ڈالتا رہا

"دغابازی بھی جس کا کھاتا ہے اسکی گردن پر چھری چلانے سے ہچکچاتا ہے۔"

"کملا ؟" جلدی سے کاشی ناتھ بولا

"جو اپنی بیوی کے سہارے بسر اوقات کر رہا ہو۔ اس کو اتنا غصہ اور تیزی زیب نہیں دیتے۔ دن بدن تمہارا جیسا وطیرہ ہوتا جاتا ہے اسے دیکھ کر

اگر آنکھوں میں لحاظ کا جذبہ نہ ہو تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

کاشی ناتھ نے ہنستے ہوئے پوچھا: گھر سے نکال کر باہر کرتی ؟"

"ہاں! کر ہی تو دیتی"

آدھی کھائی ہوئی تھالی ایک طرف کر کے کملا کی طرف تکتا ہوا کاشی ناتھ بولا "کملا میں قبل ازیں، تم پر کبھی غصے نہیں ہوا کبھی تم سے میں نے کوئی کڑی بات نہیں کہی۔ لیکن تم نے آج مجھ سے جو بات کہی ہے اس سے پہلے شاید کسی نے بھی نہ کہی تھی۔ اب سے میں تمہاری روٹی نہ کھاؤں گا۔ دیکھو شاید اس سے ہی اگر تم سکھی ہو سکو" اتنا کہہ کر کاشی ناتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ کملا بھی بے نیازی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بولی

"اگر احساس کا مادہ تم میں خفیف سا بھی موجود ہے۔ اگر تم آدمی ہو تو اپنی پرتگیا پوری کرنا"

"ضرور کرونگا۔ تم نے جو بات کہی ہے وہ دیر تک تمہاری ہی دشمن بنی رہیگی میں نے تم کو معاف کیا۔ لیکن کیا بھگوان بھی درگذر کر سکیں گے ؟"

کملا اور بھی جل کر بولی

"تمہاری بد دعا سے میرا کچھ نہ بگڑ سکے گا"

"بڑے سکون سے کاشی ناتھ بولا۔

"ایسا ہی ہو۔ بھگوان جانتے ہیں کہ میں نے تمہیں بد دعا نہیں دی۔ بلکہ آشیرواد دیتا ہوں کہ دھرم میں لگاؤ رکھتی ہوئی تم ہمیشہ سکھی رہو

باہر آ کر کاشی ناتھ نے ڈرامہ، ادب، فلسفہ اور قوانین کی سبھی کتب کو پرزہ پرزہ کر کے پھینک دیا۔ نوکروں کو بُلا کر اپنا جو کچھ تھا سبھی ان میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد رات کو کملا کے دروازہ پر دستک دیکر بولا

"کملا"

کملا جاگ رہی تھی۔ لیکن اس نے جواب نہ دیا۔ کواڑ کھلے تھے کاشی ناتھ انہیں دھکیل کر اندر داخل ہوا۔ دیکھا کہ کملا آنکھیں بند کئے پلنگ پر پڑی ہے۔ قریب بیٹھ کر ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کاشی ناتھ نے پھر پکارا۔

"کملا"

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

"جاتے وقت تمہیں آشیرواد دیئے جاتا ہوں"۔ کہہ کر باہر نکل گیا۔ کاشی ناتھ کے چلے جانے پر کملا بستر سے اٹھی۔ اور کھڑکی میں جا بیٹھی۔ بیٹھے بیٹھے روشنی کو جلتے ہوئے دیکھ کر وہ بستر میں آ کر لیٹ گئی۔ جب نیند قطع ہوئی۔ تو کافی دن چڑھ آیا تھا۔ اور گھر میں شور وغل مچا ہوا تھا۔ پوری طرح بیدار بھی نہ ہوئی تھی۔ کہ ایک ملازمہ دوڑی ہوئی آئی اور چلا کر بولی

"غضب ہو گیا جیجی! کنور جی کا کسی نے خون کر دیا"۔

کسی پر اگر کھولتے ہوئے تیل کی کڑاہی پڑ جائے ——! ایسی ہی حالت کملا کی بھی ہو گئی تھی۔ چھٹپٹاتی ہوئی نیچے اتر آئی اور بولی۔

"ایک دم خون کر ڈالا؟"

کسی نے جواب دیا "ہاں ایکدم"

لگ بھگ کپڑوں سے محروم حالت میں کملا جب باہر کے کمرے میں پہنچی۔ تو دیکھا کہ خون سے لت پت بے ہوش کاشی ناتھ ایک صوفے پر پڑا ہے۔ تمام جسم پر خون اور دھول جمی ہوئی ہے۔ ناک منہ اور آنکھوں سے خون نکل نکل کر وہیں خشک ہو گیا ہے۔ کملا چلائی اور بیہوش ہو کر وہیں گر پڑی۔

سارے گاؤں میں برق رفتاری سے یہ خبر پھیل گئی۔ کہ زمیندار کے داماد

کو اندھیری رات میں تن تنہا گھر سے کہیں جا رہے تھے۔ راہ میں کسی نے ان کا خون کر ڈالا۔

دو روز بعد جب کاشی ناتھ کو ہوش آیا تو پولیس افسر نے پوچھا۔

"بابو! کس نے آپ کی یہ حالت کی؟"

کاشی ناتھ نے اُوپر کی طرف اشارہ کر کے کہا

"اُنہوں نے"

"معمر نائب صاحب بھی وہیں کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آٹپکے۔ صاحب نے مکرر دریافت کیا۔

"بابو! ان لوگوں کو کیا پہچان نہیں سکے؟"

کاشی ناتھ نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"پہچان کیوں نہ سکا۔ پہچانتا ہوں"

صاحب نے بیتاب ہو کر پوچھا۔"کون تھے وہ لوگ؟"

کاشی ناتھ نے ذرا رُک کر جواب دیا۔

"میں نے غلط کہا ہے۔ میں انہیں نہیں پہچانتا"

صاحب نے دو تین مرتبہ پھر پوچھا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ کاشی ناتھ نے دوسری بات کہی ہی نہیں۔ دوسرے روز نائب کو بُلا کر کہا۔

"دیدی ناتھ میں میری بہن بندو واسنی ہے۔ میں اسے ایک مرتبہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کسی کو بھیج کر بُلا دیجئے"

تین دن بعد بندو واسنی اور یوگیش بابو آ پہنچے۔ بندو ذرا مضبوط دل کی لڑکی تھی۔ کملا کی طرح نہ تو وہ چلائی۔ اور نہ ہی بے ہوش ہوئی۔ صرف آنکھوں سے آنسو صاف کرتے کپکپائی ہوئی آواز میں بولی

"کاشی ناتھ بھیا! کس نے تمہاری یہ حالت کی؟

"کیوں کہ معلوم ہو؟"

"کسی پر شک ہوتا ہے؟"

"اس بات کو مت پوچھو بہن"

بندو خاموشی سے کاشی ناتھ کے چہرہ کی طرف تاکتی رہی۔

سبھی جانتے تھے۔ کہ کاشی ناتھ اس شدید چوٹ کو برداشت نہ کرسکیں گے موت رفتہ رفتہ قریب سرکتی آرہی تھی۔ آج بہت رات بیتے شدید حرارت میں تڑپتا ہوا کاشی ناتھ چلا اٹھا۔

"بتاؤ کملا! یہ کام تم نے تو نہیں کیا؟"

بندو نے بھیا کے منہ کے قریب اپنا چہرہ لے جاکر پوچھا

"یہ کیا کہہ رہے ہو بھیا؟"

کاشی ناتھ بندو کو کملا سمجھ کر اس کے گلے میں بازو ڈال کر بولا۔

"میں مر کر بھی سکھی نہیں رہ سکتا کملا! صرف ایک بار کہہ دو کہ اس فعل سے تمہارا کوئی تعلق نہیں"۔ آواز میں بہت درد تھا۔

(۱۰)

ہوش میں بے ہوشی میں۔ اور شدید عصبی کیفیت میں کملا کے دو تین روز گذر گئے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر کو دل ہی دل میں بہت خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس لئے اس کی ہدایت کے مطابق لوگ اسے بہت ہوشیاری اور سختی سے گھیرے رہے۔ آج دو روز کی متواتر کوشش اور تیمارداری کے بعد اسے ہوش آیا۔ اسے اٹھا کر بٹھایا گیا۔

اچھی طرح آنکھیں کھول کر کملا نے دیکھا۔ کہ اپنی گود میں اس کا سر رکھے

جو سرہانے بیٹھی ہے۔ اُسے وہ ابھی تک نہیں پہچانتی تھی۔ کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے پُوچھا۔

"تم کون ہو؟"

اجنبی عورت نے جواب دیا۔

"میں بندو ہوں ـــــ تمہارے پتی کی بہن"

کملا بہت دیر تک خاموشی سے اس کے مُنہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کے بعد ہاتھ کے اشارے سے کمرہ میں موجود سب لوگوں کو چلے جانے کا اشارہ کر کے بولی۔

"میں کتنے روز سے بیہوش پڑی ہوں نندجی؟"

بندو نے کہا

"پرسوں صبح بے ہوش ہو کر گر پڑی تھیں بھابی۔ اس دوران میں تُم نے بالکل آنکھ نہیں کھولی"

"پرسوں؟"

کملا چونک اُٹھی۔ اس کے بعد سر جھکائے چُپ چاپ بیٹھی رہی۔ بہت دیر تک اس کے جسم میں کسی حرکت کو نہ دیکھ کر مشتبہ انداز سے بندو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا

"بھابھی!"

کملا نے مُنہ اُٹھائے بغیر ہی جواب دیا۔

"متفکر مت ہو نندجی! اب میں بے ہوش نہ ہوں گی"

بندو سمجھ گئی کہ خود ہوش میں رہنے کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اسی لئے وہ پر سکون انداز سے خاموش بیٹھی رہی۔ کچھ دیر تک

اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد کملا نے کہا۔

"تم جو مجھ سے کہ دو دن سے یوں ہی بیٹھی ہو نند جی، تمہیں میری خدمت کرنے کا یہ جذبہ کہاں سے ملا؟ میں خود تو کبھی ایسا نہیں کر سکی؟"

بندو اس کی بات کو اچھی طرح نہ سمجھ کر بولی۔

"خواہش کیوں نہ ہوگی بھابھی؟ تم کوئی غیر تھوڑے ہی ہو۔ ہم لوگوں کی جان پہچان نہیں تھی۔ پھر بھی بھیا کی مانند تم اپنی تو ہو۔ ان کی طرح تمہاری خدمت کرنا بھی میرا فرض ہے۔ بھابھی تمہیں تو معلوم نہیں۔ کہ جب سے میں آئی ہوں۔ میرے یہ دو دن کس کیفیت میں بیتے ہیں۔ بھگوان ہی جانتے ہیں۔ ایک بار بھیا کے کمرے میں۔ ایک بار تمہارے پاس۔ جب بھیا کے قریب جاتی تو تمہارے لئے جی گھبرا جاتا۔ جب تمہارے پاس آتی۔ تو بھیا کے لئے دل متفکر ہو جاتا۔ آج شام کو ان کی طبیعت ذرا سنبھل گئی تھی۔ آرام سے انہیں سوتے دیکھ کر تمہارے پاس اطمینان سے آ کر بیٹھ گئی۔ اس مصیبت سے بھیا بچ نکلیں گے۔ ایسی اُمید کسے تھی بھابھی۔"

کملا نے پوچھا

"بچ گئے ہیں؟"

بندو نے گردن ہلا کر کہا

"ہاں! بچیں گے کیوں نہیں؟ ڈاکٹر نے کہا ہے۔ اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بخار کم ہو گیا ہے۔"

کملا کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے چمک اُٹھا۔ لیکن پھر خوفناک حد تک زرد ہو گیا۔ ایک مرتبہ سر سے لے کر پاؤں تک وہ لرز اُٹھی۔ اور دوسرے لمحہ ہی بیہوش ہو کر بندو کی گود میں آ رہی۔

بندو نے کسی قسم کا شور نہ مچایا۔ اور نہ ہی کسی کو امداد کے لئے پکارا۔ بلکہ اطمینان سے اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر پنکھے سے ہوا کرنے لگی۔ اس عورت میں فطری سکون اور اطمینان کس قدر زیادہ ہے۔ اس کی آزمائش تو خاوند کی بیماری میں ہی ہو چکی تھی۔ موت اس کے خاوند کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ اس کے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ کچھ دیر بعد کملا نے آنکھیں کھولیں۔ اور ادھر ادھر دیکھ کر بندو کی گود میں سر چھپا کر رونے لگی۔

یہ ندا اس قدر شدید گہری اور مضبوط تھی کہ بندو کی گود میں ہی دب گئی۔ اس کا چھوٹا سا جزو بھی فضا میں گھل مِل نہ سکا۔ باہر رات کی تاریکی گہری ہو رہی تھی۔ اور اس خوف ناک کمرہ میں دونوں عورتیں بیٹھی تھیں ایک ان میں سے اپنے جذبات کی کھولتی ہوئی دھارا دوسری کی گود میں انڈیل رہی تھی۔

رفتہ رفتہ سنبھل کر کملا نے خاوند کے بارے میں بہت سی باتیں دریافت کیں۔ لیکن اس نے خود چل کر اسے دیکھ آنے کی خواہش کیوں ظاہر نہ کی۔ اسے بہت غور کرنے پر بھی بندو نہ سمجھ سکی۔ اس نے ایک بار یہ بھی سوچا۔ کہ شاید بڑے آدمیوں کے ہاں یہی تعلیم اور قواعد مروّج ہوں خدمت اور تیمار داری کا بوجھ ملازموں پر لاد کر شاید سطحی طور پر خبر گیری کرتے رہنے کا رواج ہوگا۔

اچانک کملا نے پوچھا

"اچھا نند جی! ہوش میں آنے پر تمہارے بھیا نے میرے متعلق کچھ بھی دریافت نہیں کیا؟"

"ایک بار پوچھا تھا۔"——— اور فوراً بندو رُک گئی. کملا اسے بھانپ گئی. لیکن کوئی سوال نہ پُوچھ کر بیتابی سے اس کے چہرہ کی طرف دیکھتی رہی۔ بندو کچھ دیر چپ رہ کر بولی۔

"ہوش آنے پر بھیا نے مجھے تمہیں سمجھ کر گلے میں بازو ڈال کر ایک مرتبہ زور سے چلا کر کہا تھا۔ بتلاؤ کملا۔ یہ کام تم نے تو نہیں کیا؟ میں مر کر بھی تسکھی نہیں ہو سکتا کملا——— صرف ایک بار کہہ دو کہ اس حرکت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔"

کملا نے سانس روک کر کہا

"اس کے بعد؟"

بندو نے کہا

"مجھے تو معلوم نہیں بھابی کس کام کے لئے وہ پوچھ رہے تھے۔"

"میں جانتی ہوں نند جی وہ کیا جاننا چاہتے تھے۔" اور کملا ایک دم سیدھی بیٹھ گئی۔

بندو نے کملا کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا

"تم اس کمرے میں مت جاو بھابھی"

"کیوں؟ کیوں نہ جاؤں؟"

"ڈاکٹر نے ممانعت کر دی ہے۔ تمہاری حرکت سے نقصان کا اندیشہ ہے۔"

"میرا مفاد مجھ سے زیادہ ڈاکٹر نہیں سمجھ سکتا نند جی! میں انہی کے پاس جاؤں گی۔ تیندرا اچٹ جانے پر اگر وہ پھر جاننا چاہیں گے۔ تو اس کا جواب مجھے ہی تو دینا ہوگا۔" اور کملا بندو کا ہاتھ اپنے ہاتھ

میں لے کر بھرائے ہوئے گلے سے بولی

"زندگی بھر ہیں سہرا اونچا کر کے نہیں چل سکوں گی ننّد جی! از راہِ عنایت مجھے ایک مرتبہ ان کے قریب پہنچا دو"

اس کے بعد دل ہی دل میں کہنے لگی۔

"بھگوان! ہاتھ کی چوڑیوں کو اگر اب تک تم نے محفوظ رکھا ہے۔ تو اب سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کر کے انہیں پھر نہ چھین لینا میرے مالک ——— میری سزا ابھی ختم کہاں ہوئی ہے۔ وُہ تو جیوں کی تیوں پڑی ہوئی ہے۔ محض اتنا کرم کرو پربھو! جس سے میں تمہاری سزا مُسکراتے ہوئے پوری کر سکوں۔ میرا یہ تھوڑا سا راہ نہ مسدود کرنا میرے آقا!"

بیچ کے کمرہ میں داخل ہوتے ہی اس سے کھڑا نہیں رہا گیا۔ دو دن کی بیماری کے بعد کمزور ہو چکا جسم اور دماغ چکرا کر خاوند کے قدموں میں گر گیا۔

کاشی ناتھ جاگ رہا تھا۔ اسے محسوس ہُوا جیسے کوئی اس کے قدموں میں بستر پر گر پڑا ہے۔ لیکن گردن اُٹھا کر دیکھنے کی اس میں قوت نہ تھی۔ اس لئے اس نے لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

"کون بندو؟"

بندو نے جواب دیا

"نہیں بھیّا بھابھی ہیں"

"کملا؟ تم یہاں کیوں آئیں؟

بندو نے سرہانے بیٹھ کر شیریں آواز میں کہا

"یہ خود کو سنبھال نہیں سکیں اس لئے چکر کھا کر گر پڑیں"

کاشی ناتھ خاموش رہا۔ بندو نے پھر کہا۔

"میں نے آج رات آنے کو منع کیا تھا۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا۔ کہ جیسے دو روز کے بعد ہوش آئے۔ وہ اس کمرہ میں آکر کبھی خود کو سنبھال نہ سکے گا"

پتی کے دونوں پاؤں کے بیچ اپنا منہ دیئے کملا اسی طرح پڑی تھی۔ اس کی مسلسل بہتی ہوئی آنسوؤں کی دھارا کاشی ناتھ خود اپنے سرد پاؤں پر محسوس کر رہا تھا۔ اس لئے اس نے آہستہ سے کہا

"ہاں بہن! یہاں نہ آنا ہی اس کے لئے بہتر تھا"

کملا کی طرف دیکھتے دیکھتے بندو کی آنکھیں بھر آئیں۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس نے کہا۔

"اچھا تو تھا۔ لیکن ویسا اچھا کیا کوئی کر سکتا ہے بھیا! تم اچھے ہو جاؤ۔ کملا کے یہ دو دن کیوں کر بیتے ہیں۔ یہ میں ہی جانتی ہوں یا بھگوان واقف ہیں۔ شاید وہ خود بھی نہیں جانتی؟"

بھگوان کا نام سنتے ہی کاشی ناتھ نے اپنی بیرونی نگاہ اور تاثرات کو آنکھیں بند کر کے اندر کھینچ لیا۔ جہاں خالق ازل سے ہی براجمان ہیں۔ اور جیسے ان کے چرنوں میں اس سوال کو رکھ کر جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے بعد آنکھیں کھول کر کہا۔

"میرے جیون کو اب کوئی خطرہ نہیں۔ کملا اٹھو۔ اب"

بندو نے کہا۔

"بھیا تم جو بات مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ بھابی اس کا جواب دینے تمہیں آئی ہیں"

کاشی ناتھ کے سفید ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ اٹھی۔ اور بولا۔

"اب کسی کو کوئی جواب نہ دینا ہوگا۔ بندو! ان دو دنوں تک جو یہ بے ہوش پڑی رہی ہے۔ اسی میں مجھے مکمل جواب مل گیا۔ اور بائیں ہاتھ پر بوجھ دے کر اٹھ بیٹھا۔ اور کملا کا چہرہ اوپر کی طرف اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"کملا!"

کملا نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اسی طرح زور سے پاؤں میں منہ چھپائے پڑی رہی۔ اور اسی طرح دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کا بہاؤ جاری رہا۔

بندو بے تاب ہو کر بولی۔

"تم مت اٹھو بھیا! ڈاکٹر کہہ گئے ہیں —— اگر ——"

کاشی ناتھ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ڈاکٹر کچھ بھی کہے بہن! میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ اب کسی قسم کے خدشہ کی ضرورت نہیں۔ اس مصیبت سے تم لوگوں نے مجھے بچا لیا۔"

اس کے بعد کاشی ناتھ کملا کے پریشان اور خشک بالوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کچھ دیر خاموشی سے ادھر ادھر گھما کر اور ہلا کر آہستگی سے لیٹ گیا۔

نامی پریس پیسہ اخبار سٹریٹ لاہور میں باہتمام مہاشہ
راجپال

پرنٹر و پبلشر
چھپا

سُمتی

رام لال اگرچہ ابھی کمسن تھا تاہم اس کی ذہنی تربیت میں شریر عنصر بہت نمایاں تھا۔ گاؤں بھر اس سے خوف کھاتا تھا۔ کب۔ کس طرف سے اور کیوں کر آفت آنازل ہوگی۔ اس بات کا اندازہ کرنا بہت مشکل کام تھا۔ اس کے سوتیلے بھائی شام لال کو بھی شانت اور پُرسکون فطرت کا مالک نہیں کہا جاسکتا تھا۔ تاہم وہ حقیر سی لغزش پر کڑی سزا نہ دیتا۔ گاؤں کے زمیندار کے ہاں وہ کام کرتا اور اپنی زمین جائداد کی نگرانی بھی کرتا۔ گھر کی کیفیت کافی اطمینان بخش تھی۔ کنواں، باغیچہ۔ کھیت، دس بیس گھر مزارعوں کے اور کچھ نقد روپیہ بھی تھا۔ شیام لال کی بیوی جب اولیں مرتبہ اس گھر میں داخل ہوئی — تقریباً تیرہ چودہ برس کی بات ہے — تب اسی برس رام کی بیوہ ماں چل بسی۔ مرتے وقت وہ اپنی گھر گرہستی اور ڈھائی سال کا شیر خوار بچہ اپنی بہو نارائینی کو سونپ

گئیں

اس سال ہر طرف بخار شدت سے پھیلا ہوا تھا۔ نارائنی کو بھی حرارت ہو گئی۔ تین چار گاؤں میں لکھنی بابو ہی ڈاکٹر تھے اور وہ بھی نیم حکیم جیسے امتحان بھی پورا نہیں دیا تھا۔ اور پھر اس وقت تو ان کی فیس بھی ایک روپے سے بڑھ کر دو روپے ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُن کی کونین کی پڑیاں بھی ارا روٹ اور میدے کی ملاوٹ سے ذائقہ دار بن گئی تھیں۔ سات دن کے بعد بھی نارائنی کا بخار ذرا بھی کم نہیں ہوا۔ شیام لال بہت ہی فکر مند ہو گیا۔

گھر کی خادمہ نرتکامی جو ڈاکٹر کو بلانے کے لئے گئی تھی۔ اپنا سا منہ لے کر گھر واپس لوٹ آئی۔ اور بولی۔

"ڈاکٹر صاحب آج چار روپیہ فیس لے کر دوسرے گاؤں جا رہے ہیں۔ اس لئے نہیں آسکیں گے۔"

شیام لال بڑے ناراض ہو گئے۔ بولے:۔

"ارے اُس کمبخت کو ہم بھی چار روپے ہی دے دیں گے۔ تو جا۔ اور اس چنڈال کو بلا لا!"

نارائنی نے کمرے کے اندر آواز سن لی۔ کمزور اور بڑی مدھم آواز میں بولی۔ "سنو ادھر تو آؤ۔ تم اتنے گھبراتے کیوں ہو؟ ڈاکٹر آج نہیں آسکتے۔ ایک دن میں کیا ہو جائے گا؟"

رام لال جو آنگن کے ایک کونے میں امرود کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا چڑیوں کے لئے پنجرہ تیار کر رہا تھا۔ اٹھ کر بولا۔

"تو رہنے دے دیدیا میں جاتا ہوں۔"

دیور کی آواز سُنتے ہی نارائنی اُٹھ بیٹھی۔ اور گھبرا کر بولی:-

"سنتے ہو؟ رام کو روکو۔ او رام! میرے سر کی قسم ...... مت جانا تم وہاں... بھیّا تم کیسے ہو.... کہیں لڑا بھی کرتے ہیں بھلا"

رام نے جیسے کچھ سُنا ہی نہیں۔ باہر چلا گیا۔ اس کا پانچسالہ بھتیجا جو سلاخیں ہاتھ میں لئے اسی طرح بیٹھا تھا، رام کو باہر جاتے دیکھ کر بولا:-

"پنجرہ نہیں بناؤ گے چچا؟" محمد اکرم قدوسی

نارائنی پیشانی پر ہاتھ مار روتی آواز میں بولی

"تم نے اُسے جانے کیوں دیا؟ دیکھو اب وُہ کیسا طوفان برپا کریگا!"

شیام لال پہلے ہی غصّہ میں بھرے بیٹھے تھے۔ اور بھی جھنجلا کر بولے

"میں کیا روکوں؟ تمہارے منع کرنے پر بھی وُہ نہ رہا۔ تو میرے کہنے سے کیونکر باز آتا؟"

ہاتھ کیوں نہیں پکڑ لیا؟ اس مصیبت سے تو گھڑی بھر بھی چین نہیں مر جاؤں تو اچھا رہے گا۔ ننّو تو جا بہن! کھڑی مت رہ۔ بھولا کو بھیج دے۔ اُسے سمجھا بجھا کر میرے پاس لوٹا لائے۔ شاید وُہ ابھی کھلیان کو یاد بھی نہیں کر پایا ہوگا۔"

اُسی وقت نرنکامی بھولا کی تلاش میں چل دی۔

جس وقت رام نلمنی ڈاکٹر کے گھر پہنچا۔ اُس وقت وُہ اپنی ڈسپنسری میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شکستہ الماری کے آگے ایک ٹوٹی ہوئی کرسی کے آگے میز لگائے ہوئے کانٹا ہاتھ میں لئے دوائیں تول رہے تھے۔ اور چار پانچ مریض منہ بنائے اُس کو دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر بابو ترچھی نگاہ سے رام دیکھ کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

رام ایک لمحہ کے لئے خاموش کھڑا رہا۔ پھر بولا۔

"بھابھی کا بخار کیوں اچھا نہیں ہوتا ڈاکٹر صاحب"۔

ڈاکٹر نے کانٹے پر ہی نگاہ جمائے جواب دیا "نہیں ہوتا تو میں کیا کروں؟ دوا تو دیتا ہوں"۔

"خاک دیتے ہو۔ سڑے میدہ کے سفوف سے بھی کہیں بخار اُتر سکتا ہے؟"

یہ سُنتے ہی ڈاکٹر کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ کانٹا تول کے سکے وغیرہ سب چیزوں کو ایک طرف ہٹا کر لال لال آنکھوں سے رام کی طرف گھور کر دیکھنے لگا۔ اتنی بڑی توہین اور حماقت کی بات ان کی موجودگی میں کون زبان پر لا سکتا ہے۔ انہیں یہ معلوم ہی نہیں تھا۔

ایک لمحہ کے بعد ہی وہ گرج اُٹھے "غلیظ میدے کا سفوف۔ تو پھر لینے کیوں آتا ہے۔ اور تیرے بھیا میرے پاؤں پڑ کر کیوں بُلانے آتے ہیں؟"

راما نے جواب دیا "گرد و نواح میں اور کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ اسی لئے بُلانے آتے ہیں، ورنہ کبھی نہ آتے"۔

کمرہ میں موجود لوگ انتہائی حیرت سے یہ سب باتیں سُن رہے تھے۔ انکی طرف دیکھ کر وہ بولا۔

"تم ذلیل اور پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہو۔ اسی لئے کہتے ہو کہ پیروں پڑ کر بُلانے بھیجتے ہیں۔ بھیا کسی کے پاؤں نہیں پڑتے۔ آتے وقت بھابھی نے قسم دلا دی۔ ورنہ دانت تو تمہارے ابھی توڑ ڈالتا .... خیر .... زود اثر دوائی لے کر ابھی پہنچو .... دیر مت کرو .... اگر آج بھابھی کا بخار نہ ٹوٹا۔ تو سامنے جو قلمی آم کے پیڑ لگا رکھے ہیں .... جو ابھی کچھ زیادہ بڑھے بھی نہیں .... رات تک ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا۔

اور کل آکر تمہاری یہ شیشیاں بوتلیں وغیرہ سبھی چکنا چور کردوں گا.... سن رہے ہو نہ.....؟"

-اور وہ فوراً وہاں سے چل دیا- ڈاکٹر ہاتھ میں ترازو لئے بیٹھے ہی رہ گئے. ایک بوڑھے نے کچھ جرأت کرکے کہا:-

"ڈاکٹر صاحب! اب آپ مزید تاخیر نہ کریں- اچھی دوائی اگر کہیں پوشیدہ رکھی ہے .تو اسے لے کر فوراً جائیے- اس کا نام ہے رام- جو کہہ گیا ہے وہی کرکے چھوڑے گا"

ڈاکٹر نے ترازو کو چھوڑتے ہوئے جواب دیا."میں ابھی تھانے میں داروغہ جی کے پاس جاتا ہوں. تم سب گواہ ہو؟"

جو بوڑھا مشورہ دے رہا تھا- جلدی سے بولا:-

"گواہ؟ گواہی کون دیگا بھیا؟ کونین کے استعمال سے میرے تو کانوں میں سنسناہٹیں سی ناچ رہی ہیں- رام بابو کیا کہہ گئے ہیں- کچھ واضح صورت میں سن ہی نہیں سکا..... اور پھر داروغہ بھی کیا کر سکے گا. یہ شیطان دیکھنے میں تو کم عمر ہی نظر آتا ہے. لیکن اس کا ساتھی لڑکوں کا گروہ تو کچھ چھوٹا نہیں ہے۔ ..... اگر آگ لگا کر گھر میں بند کردیں تو تھانے والے دیکھنے تو نہیں آئیں گے اور نہ ہی داروغہ صاحب ایک مشت گھاس دے کر احسان فرمائیں گے. شہادت وغیرہ ہم سب سے تو نہ دی جائے گی- اس سے سب ہی ڈرتے ہیں اس سے تو یہی بہتر ہے کہ وہ جو کچھ کرنے کو کہہ گیا ہے وہی کیجئے..... ذرا میری نبض تو ٹٹولئے آپ..... آج کچھ کھانا وغیرہ کھاؤں؟"

-ڈاکٹر اندر ہی اندر سُلگ رہے تھے. بوڑھے کی اس نبض دیکھنے کی درخواست نے انہیں بھڑکا دیا- تنک کر بولے:-

گواہی دینے میں میا مرتی ہے ...... جاؤ نکلو یہاں سے ......
میں کسی کی نبض نہیں دیکھوں گا...... کوئی مرتا بھی ہوگا تو بھی دوائی نہ دوں گا۔ دیکھوں تم لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی۔"

بوڑھا لکڑی تھام کر کھڑا ہو گیا اور بولا

"قصور کسی کا نہیں ڈاکٹر صاحب۔ ان کو آپ پہچانتے ہی نہیں۔ بڑے شیطان اور شریر ہیں وہ لوگ —— ہاں! تو انہیں بھی اطلاع دینی پڑے گی ورنہ وہ سب یہی سمجھیں گے کہ تھانے جانے کی تحریک ہم سب نے ہی کی ہے۔ ہنگمہ بھر جنگین لگائے ہیں۔ اب کچھ بڑے بھی ہو گئے ہیں۔ شاید رات بھر میں اکھاڑ ڈالے۔ ان مزارعوں کے لڑکے نورات کو سوتے بھی نہیں۔ بابو جی! تھانے میں اب نہ سہی تو، پھر کبھی چلا جائیے گا۔ پہلے ایک شیشی اصلی دوا کی لے جا کر انہیں شانت کیجئے گا۔"

بوڑھا چلا گیا۔ دوسرے لوگ بھی دھیرے دھیرے کھسکنے لگے۔ ایک سرد اور گہری سانس نیل منی بابو کے لبوں سے پھسلی اور زندگی کی الجھنوں اور حقائق کی بہترین لڑی کا نظریہ کہ دنیا میں کسی کمبخت کا بھلا نہیں کرنا چاہیئے سوچتے ہوئے اندر چلے گئے

نارائنی جنگلے میں سے باہر کی طرف دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہی تھی کہ اتنے میں رام لوٹ آیا۔

"گوبند! چل پنجرہ بنائیں۔"

"او رام! ذرا ادھر تو آ۔" نارائنی نے پکارا

رام سلاخ کو سوراخ سے گذارتا ہوا بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "ابھی نہیں کام کر رہا ہوں۔"

نارائینی نے تیز اور سخت لہجہ میں کہا "چل جلدی ادھر کہتی ہوں نہ میں تمہیں۔"

رام سب کام چھوڑ کر فوراً اُٹھ بیٹھا۔ اور آہستگی سے بھابھی کے کمرہ میں آکر چوبی تخت پوش کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ نارائینی نے پُوچھا

"ڈاکٹر سے مُلاقات ہوئی گھر پر؟"

"ہاں۔"

"کیا کہا تھا اُن سے؟"

"گھر آنے کو"

نارائینی کو اطمینان نہ ہوا۔ پھر بولی۔ "صرف آنے کو ہی کہا تھا یا اور بھی کچھ؟"

رام خاموش رہا۔

نارائینی نے کہا "بتاؤ تو سہی کیا کیا کہا تھا؟"

"نہیں بتاؤں گا۔"

عین اسی وقت نرینہ کالی داخل ہوئی اور بولی "ڈاکٹر صاحب آرہے ہیں۔"

"نارائینی موٹی چادر کھینچ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ رام بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر کو ساتھ لئے شیام لال داخل ہوئے۔ ڈاکٹر نے اپنا کام مکمل کرکے آخر میں نارائینی سے کہا۔

"بہورانی! بخار کا اچھا ہونا یا نہ ہونا کیا ڈاکٹر کے بس کی بات ہے؟ تمہارے دیور نے تو مجھے دو دن کی مہلت دی ہے۔ اس دوران میں یہ ٹوٹ گیا تو بہتر ورنہ وُہ ہمارے مکان کو نذرِ آتش کردے گا۔"

شرم کے مارے نارائینی کی آنکھیں جُھک گئیں۔ بولی

"اس کی تو سب باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ آپ کسی قسم کی تشویش نہ کریں۔"

ڈاکٹر نے کہا:۔

"لوگ کہتے ہیں کہ اس کا ایک گروہ ہے۔ جس کا وہ سرغنہ ہے۔ ان کے قول و فعل میں کسی قسم کا فرق نہیں رہتا۔ اسی سے بڑا فکر لاحق ہو رہا ہے۔ بہو! ہم تو دوا دے سکتے ہیں۔ اپنی زندگی تو نہیں دے سکتے۔"

نارائینی تھوڑی دیر چپ رہ کر بولی۔ "یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ وہ چھوکرا کسی نہ کسی دن ضرور جیل کی ہوا کھائے گا۔ لیکن ساتھ میں کہیں ہم لوگوں کو بھی نہ جانا پڑے یہی فکر ہے۔"

آج نیل منی بابو اپنے خاص کمرہ کا صندوق کھول کر اصلی کونین اور تازہ دوا لائے تھے اسے دے کر اور سب کچھ سمجھا بجھا کر جب وہ چلنے لگے۔ تو شیام بابو نے انہیں چار روپے نذر کرنے چاہے۔ ڈاکٹر نے دانتوں تلے زبان دبا کر کہا۔

آپ یہ کیا کرتے ہیں؟ میری فیس ایک روپیہ ہے۔ اس سے زیادہ ہرگز نہیں لے سکتا۔ ایسا کرنا میری عادت میں داخل نہیں۔ شام بابو روپیہ دو دن کی شئے ہے۔ لیکن دھرم تو ایک مستقل چیز ہے۔"

دو دن قبل یہیں سے انہوں نے دو روپے لئے تھے۔ اس بات کو بھی آج وہ بھول گئے تھے۔ مگر شام لال سب باتوں کی تہ تک پہنچ گئے......

خیر کچھ بھی ہو، نارائینی اچھی ہو گئی۔ اور گھر کے کام حسب معمول ہونے لگے۔

(۳)

تقریباً دو ماہ بیت گئے۔ ایک روز نارائینی ندی سے نہا کر لوٹتے ہی

پانی کا گھڑا اُتارتی ہوئی بولی "سنتو! وہ بندر کہاں گیا؟"

بندر کون ہے۔ اسے گھر کے سبھی لوگ سمجھتے ہیں۔ نرنتیہ کالی نے کہا:۔

"چھوٹے بابو ابھی تو یہیں تھے .... وہ رہے .... وہاں بیٹھے پتنگ بنا رہے ہیں۔"

نارائینی نے رام کو دیکھتے ہی بُلایا:۔

"اِدھر تو آ شیطان کہیں کے ..... کلموہے! تیرے باعث کیا میں کہیں کنوئیں تالاب میں ڈوب مروں ——— کیا کروں؟"

رام آدھے بل کے گودے کو لکڑی سے کریدتا ہوا اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اسے سامنے پا کر نارائینی نے پوچھا:۔

"بہاری کے باغیچہ کے کھیرا کی بیل کیوں اُکھاڑ لایا .... بتا۔ کیوں اکھاڑی تُو نے؟"

"مجھے اُس نے اکھاڑتے دیکھا ہے کیا؟"

"اُس نے نہیں دیکھا۔ میں نے تو دیکھا ہے .... بتا۔ کیوں اُکھاڑی تُو نے؟"

"اس بڑھیا رانڈ نے مجھے گالی کیوں دی؟"

نارائینی نے جل بھُن کر کہا "گالی کی بات پھر کروں گی۔ پہلے یہ بتا۔ کہ تُو نے چوری کیوں کی؟"

رام لال ایک ساتھ تعجب اور غصہ سے ملے جُلے تاثرات پیدا کر کے بولا۔

"چوری کر رہا تھا ——— ؟ ہرگز نہیں۔ ذرا سا کھیرا لے لیا تو کیا یہ چوری ہو گئی؟"

نارائینی اور بھی جل اُٹھی۔ تیز ہو کر بولی۔

"ہاں بندر! ہوتی ہے .... ہوتی ہے .... سو مرتبہ ہوتی ہے۔ چوری کسے کہتے ہیں۔ ذرا سا بچہ جانتا ہے۔ اتنا بڑا سانڈ سا تو ہو گیا ہے تُو اور اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتا۔ کھڑا رہ ایک پیر پر —— پاجی کہیں کا۔ کھڑا ہو ...... اُٹھا پاؤں"

اس گھر میں چھوٹا بچہ گوبند تھا رام کا ساتھی۔ چوبیس گھنٹے وہ رام کے ہمراہ رہتا۔ اس کی اعانت کرتا۔ رام کے حکم کے مطابق اب تک وہ پتنگ پکڑے بیٹھا تھا۔ گڑبڑ دیکھ کر پتنگ چھوڑ کر ماں کے قریب آ کھڑا ہوا۔

رام کو اِدھر اُدھر کرتے دیکھ کر بولا "چاچا! کھڑے رہو ایک پیر سے ... ایسے" کہہ کر خود اس نے کھڑا ہو کر ایک پاؤں سے کھڑا رہنے کی ترکیب بتلا دی۔

رام نے تڑ سے اس کی گال پر ایک طمانچہ جما دیا۔ اور پیچھے کی طرف ہٹ کر وہ ایک پیر پر کھڑا ہو گیا۔

نارائینی ہنسی کو بمشکل روک کر بچہ کو گود میں اُٹھا کر رسوئی گھر کی طرف چل دی۔ دو منٹ بعد اس نے لوٹ کر دیکھا۔ تو رام اُسی طرح ایک پاؤں سے کھڑا تھا۔ اور دھوتی کے پلّے سے بار بار آنسو پونچھ رہا تھا۔

نارائینی نے کہا۔

"اچھا جا ..... ہو گیا اب۔ اب ایسی بدمعاشی مت کرنا"

رام نے بات نہ مانی۔ غصّہ سے اسی طرح ایک پاؤں پر کھڑا آنکھیں صاف کرتا رہا۔ وہ قریب جا کر اس کا بازو کھینچنے لگی۔ لیکن وہ تنا کھڑا رہا اور پوری قوت سے اس کا ہاتھ پرے جھٹکا دیا۔ نارائینی نے ہنس کر پھر ایک مرتبہ بازو کھینچے

کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اب کی مرتبہ وہ مزید طاقت سے ہاتھ پرے ہٹا کر باہر بھاگ گیا۔ گھنٹہ بھر بعد نرتیہ کالی جب رام کو بلانے آئی تو دیکھا کہ جینڈی منڈ کے اس بازو کے برآمدے میں پاؤں لٹکائے اور منہ پھلائے خاموش بیٹھے ہیں۔ خادمہ نے کہا۔

"سکول کا وقت ہو گیا ہے چھوٹے بابو! بہو جی بُلا رہی ہیں"

رام نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی طرح بیٹھا رہا۔ جیسے اُس نے کچھ سُنا ہی نہیں اس نے سامنے جا کر آہستہ سے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"بہو جی نہا دھو کر کھانے کو کہہ رہی ہیں"

رام آنکھیں نچاتے ہوئے گرج کر بولا۔

"جا تو چلی جا یہاں سے ——— چل دُور ہو جا ———"

"مگر بہو جی نے کیا کہا۔ سن لیا؟"

"نہیں سُنا، جا . . . . . میں نہ نہاؤں گا۔ اور نہ ہی کھاؤں گا . . . کچھ نہیں کروں گا۔ جا تو چلی جا یہاں سے"

"اچھا! تو میں جا کر کہے دیتی ہوں" کہہ کر داسی جانے لگی۔

رام برق رفتاری سے اُٹھ کر قریب کے گندے نالے میں ڈُبکی لگا کر بھیگا سر گیلے کپڑے لئے پھر اُسی جگہ اسی طرح آ کر بیٹھ گیا۔ نارائینی اطلاع پاتے ہی گھبرا کر دوڑی آئی۔

"ارے او بھُوت! یہ کیا کیا تو نے؟ اس تالاب میں تو مارے ڈر کے کوئی پاؤں نہیں ڈالتا۔ اور تو مزے سے ڈُبکی بھی لگا آیا"

اس نے اپنے آنچل سے اچھی طرح اس کا منہ اور جسم صاف کیا۔ اپنے ہاتھ سے لباس تبدیل کیا۔ اور ساتھ لے جا کر گھر میں کھانا چُنا۔ رام خفا لی

کے سامنے منہ پھلائے کھونٹے کی طرح تنا بیٹھا تھا

نارائینی اس کے دل کی بات جان گئی۔ قریب آکر سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی:۔

”راجہ بھیا ہے نہ تو؟ اس وقت خود بخود کھالے۔ رات کو میں کھلادوں گی ابھی تو دیکھ اتنا آثار رکھا ہے پکانے کو۔ راجہ بھیا کھالے نہ“

تب رام خاموشی سے کھاکر اور لباس تبدیل کر کے سکول چلا گیا۔ خادمہ نے کہا۔

”تمہاری ہی وجہ سے اس کی سب عادتیں بگڑتی جاتی ہیں بہوجی! اتنے بڑے لڑکے کو گود میں بٹھاکر کھلایا جاتا ہے کیا؟ ذرا سا روٹھ گیا تو گود میں اٹھاکر کھلادیا۔ یہ تمہاری کہاں کی رسم ہے۔ کونسا طریقہ ہے؟“

نارائینی مسکراکر بولی۔

”نہیں تو کھاتا نہیں جو؟ رات کو کھلانے کی ترغیب نہ دیتی تو وہیں منہ پھلائے نہ بیٹھا رہتا تنا ہوا؟ .... کھاتا تھوڑے ہی.... نہ ہی سکول جاتا!“

خادمہ نے کہا:۔ کھاتا کیسے نہ؟ جب بھوک لگتی خود ہی کھالیتا۔ اتنا بڑا ہوگیا.....“

نارائینی دل ہی دل میں ناراض ہوکر بولی۔

”تم لوگ تو اس کی عمر ہی دیکھا کرتے ہو۔ ارے بڑا ہوگا۔ ہوش سنبھالیگا تو اسے خود بخود شرم محسوس ہوگی۔ وہ آپ ہی نہ تو میری گود میں بیٹھے گا۔ اور نہ ہی کھلانے کو کہے گا!“

داسی رنجیدہ ہوکر بولی۔ میں تو اس کی بھلائی کے لئے ہی کہہ رہی ہوں

بہو جی۔ نہیں تو مجھے کیا پڑی ہے۔ تیرہ چودہ برس کا ہو چلا۔ اب بھی اگر اسے عقل نہ آئی تو کب آئے گی؟"

نارائینی کو اب غصہ آگیا۔ بولی "عقل آنے کے لئے کوئی عمر مقرر نہیں سنتو! کسی کو دو سال پہلے آتی ہے۔ کسی کو دو برس بعد۔ اور آئے خواہ نہ آئے۔ تم لوگ اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

خادمہ نے کہا "یہی تو نقص ہے تم ہی بہو جی! وہ کس قدر شریر ہو گیا ہے۔ وہ کیا تم سے کچھ پوشیدہ ہے؟ محلہ بھر یہی کہتا ہے۔ کہ تمہارے ہی لاڈ پیار نے اسے خاک......"

نارائینی خشک لہجہ سے بات کاٹ کر بولی۔

"محلہ کے لوگ لاڈ پیار کو ہی دیکھتے ہیں۔ ڈانٹ ڈپٹ پر شاید ان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ لیکن تو تو محلہ کی نہیں ہے۔ صبح ایک پاؤں سے کھڑا کھڑا روتا رہا۔ غلیظ اور متعفن تالاب میں نہا آیا۔ بھگوان جانیں بیمار پڑے گا یا کیا ہو گا۔ اس کے بعد تیرا کیا یہ ارادہ تھا۔ کہ میں اسے بھوکا پیاسا ہی سکول بھیج دیتی؟ گھر اور باہر کی شب و روز کی یہ لعن طعن اور تنقید تو اب مجھ سے نہیں سہی جاتی سنتو!"

کہتے کہتے اس کا لہجہ بھر آگیا۔ آنکھیں گیلی گیلی ہو کر آنسوؤں میں ڈوب گئیں آنچل سے آنسو صاف کرنے لگی۔ خادمہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کل رات کو اسی بات پر خاوند سے بھی وہ الجھ چکی ہے۔ بہت محجوب اور دکھی ہو کر اس نے کہا۔

"روتی کیوں ہو بہو جی؟ میں نے کوئی بری بات تو نہیں کی لوگ کہتے ہیں اس سے ذرا سنبھل جانے کو کہا تھا۔

نارائینی آنکھیں صاف کر کے بولی "کمبخت ان سب آدمیوں کو ایک سا نہیں

بناتے. وہ ذرا شریر ہے. اسی لئے مجھے ہر ایک کی باتیں چپ چاپ سہنی پڑتی ہیں. لیکن بار بار لاڈ پیار کرنے کا طعنہ کیوں دیتے ہیں؟ لوگ کیا یہ چاہتے ہیں. کہ میں اسے کاٹ کر ندی میں بہا دوں؟ تبھی سب کے سینے سکون حاصل کریں گے؟"...

اور وہ جواب کا انتظار کئے بغیر ہی جلدی سے اُٹھ کر چل دی.

داسی کا مُنہ ذرا سا ہو گیا. دل ہی دل میں کہنے لگی "بھگوان جانیں کیا بات ہے! جو ہر بات میں اتنی ذہین، پُرسکون اور شانت ہے. وہ اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھتی؟ اور ظاہری ڈانٹ ڈپٹ؟ لڑکا ایک پاؤں کھڑا ایک لمحہ کے لئے روتا رہا... تو جیسے قیامت ہی آ گئی....!"

رام کو بھائی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بالکل پسند نہ تھا. آج رات کو نارائنی نے دیدہ دانستہ دونوں بھائیوں کی تھالی ساتھ ساتھ ہی لگا دی اور خود بغل میں جا بیٹھی. رام باورچی خانے میں گھستے ہی اُچھل پڑا اور مچل کر بولا جاؤ میں نہیں کھاتا... میں آج کھاؤں گا ہی نہیں..."

نارائنی کا سنجیدہ گلا دیکھ کر رام کی اُچھل کود بند ہو گئی مگر وہ کھانے نہیں بیٹھا. خاموش کھڑا رہا.

رسوئی گھر کے دوسرے دروازے سے شیام لال کے داخل ہوتے ہی رام آندھی کی سی تیزی سے باہر چلا گیا. شیام بابو اطمینان سے کھانے بیٹھے. اور بولے "رام نے نہیں کھایا کیا؟"

نارائنی نے بے رُخی سے جواب دیا "وہ میرے ساتھ کھائے گا."

کھانا کھا کر جونہی شیام بابو باہر نکلے. اُسی وقت رام مٹھی میں راکھ لئے اندر گھس آیا. اور بولا

"میں کسی کو کھانے نہیں دوں گا۔ سب کے برتنوں میں راکھ ڈال دوں گا"۔۔۔ ڈالوں؟"

نارائنی نے منہ اٹھا کر جواب دیا

"ڈال کے دیکھو نہ۔ کیسی سخت سزا دیتی ہوں"!

رام نے مٹھی میں راکھ دباتے ہوئے ہی لہجہ بدل کر کہا

"بڑی آئیں سزا دینے والی! صبح مجھے دھوکہ سے رات کا فریب دے کر کھلا دیا۔ اب سزا کی دھمکی دیتی ہو!"

"تب کھایا کیوں تھا؟"

"تم نے جو فریب دیا تھا۔ کہ رات کو۔۔۔"

"شیطان کہیں کا۔۔۔۔۔۔ پرائے ہاتھ سے کھانے میں تجھے شرم نہیں آتی؟"

رام نے تعجب سے کہا۔

"پرایا ہاتھ۔۔۔۔۔۔۔؟ کس کا۔۔۔۔۔۔۔؟ تم نے ہی تو کہا تھا"

نارائنی پھر اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ بولی:۔

"اچھا جا ـــــ راکھ پھینک کر ہاتھ دھو آ۔ لیکن پھر کبھی کسی دن کھلانے کو کہا۔ تو دیکھنا۔۔۔"

کھلانا اب تک جاری تھا۔ اتنے میں داسی بلا ضرورت ایکبار در لنے کے سامنے سے اندر دیکھتی ہوئی دوسرے برآمدے کی طرف نکل گئی۔ نارائنی نے بھانپ لیا۔ اور رام سے کہا۔

"رام ـــــ تجھے کیا کبھی عقل نہ آئے گی؟ بھگوان تجھے کبھی عقل

نہ دیں گے۔ لوگوں کے طعنے تو اب مجھ سے سہے نہیں جاتے"

رام مُنہ کا نوالہ نگل کر بولا "کون ہیں وہ لوگ؟ اُن کا نام تو بتاؤ؟"

نارائینی نے ایک گہری آہ بھر کر کہا "...... بس! کون ہیں... اُن کا نام بتاؤں؟"

لیکن کچھ ہی مہینے بعد نارائینی کے لئے واقعی یہ سب کچھ ناقابل برداشت ہو گیا۔ اس کی بیوہ ماں دگمبری اپنی دس برس کی لڑکی سُرودھنی کے ساتھ اب تک اپنے بھیّا کے پاس کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن پُورے کر رہی تھی۔ اچانک اُس کے بھائی کی موت ہو جانے کے باعث اس کے لئے کہیں بھی سہارا نہ رہا تھا نارائینی نے خاوند کو راضی کر کے آدمی روانہ کر کے انہیں اپنے ہاں بُلا لیا۔ وہ آئی اور آتے ہی اُس نے اپنی لڑکی نارائینی پر اپنا پُورا رعب جما لیا پھر لگے ہاتھوں رام پر بھی اثر ڈالنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگی ابتدا سے ہی وہ تخریبی نکتۂ نگاہ سے دیکھنے لگی تھی"

آج صبح رام دو تین ہاتھ لمبا پیپل کا پودا کہیں سے لے آیا اور اس نے اسے صحن کے عین درمیان میں گاڑنا شروع کر دیا۔ رسوئی گھر کے دروازے میں مالا پھیرتی ہوئی دگمبری یہ سب کچھ دیکھ کر تیز آواز میں بولی:-

"یہ کیا ہو رہا ہے رام؟"

رام نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا "پیپل بڑا ہو جائے گا۔ تو خوب گھنی چھاؤں دے گا۔ ماسٹر صاحب نے کہا ہے۔ کہ اس کی چھایا بہت مفید ہوتی ہے۔ گوبندا! جا تو ایک لوٹا پانی لے آ.......... بھولا! ایک موٹا سا بانس لے آ........ گھیرا بھی دینا ہو گا۔ نہیں تو جانور ہی کھا جائیں گے۔"

دگمبری جل بھُن کر بولی :- "گھر میں پیپل کا پودا؟ یہ تو دُنیا سے نرالی بات ہے۔ گھر میں یہ پیڑ اُگتے کہیں نہیں دیکھا۔"

رام نے اس کی بات پر کچھ توجہ نہ دی۔ گوبندا اپنی ہمت کے مطابق ایک چھوٹی سی لٹیا میں پانی لے آیا۔ رام نے اس کے ہاتھ سے لوٹا لے محبت سے ہنستے ہوئے کہا :- اِس تھوڑے سے پانی سے کیا ہوگا رے پگلے؟ تو یہاں کھڑا رہ۔ میں پانی لاتا ہوں۔"

اس کے بعد گھڑوں پانی انڈیل کر صحن میں کیچڑ کر کے رام جب درخت گاڑنے کے کام سے فارغ ہوا۔ تب تک نارائینی بھی ندی سے نہا کر لوٹ آئی تھی۔ اب تک دگمبری بھس کے سلگاؤ کی طرح اپنے آپ ہی جل رہی تھی۔ ...... باعث ــــ؟ اس کے سامنے ہی یہ توہین آمیز فعل شروع ہو کر روکنے کے باوجود اختتام تک جا چکا تھا۔ اب تو لڑکی کو دیکھتے ہی چلا اُٹھی۔

"دیکھ نارائینی دیکھ! .... اپنے دیور کی کرتوت اپنی آنکھوں سے دیکھ۔ آنگن کے بیچ میں پیپل گاڑ کر کہتا ہے۔ سایہ ہوگا۔ ...... اور وہ دیکھ۔ .... عقب میں حرام نادے بھولا کی حرکت؟ پورے کے پورے بانس کے جھاڑ گھسیٹ کر لا رہا ہے۔ ..... گھیرا لگے گا۔"

اس نے مڑ کر دیکھا۔ سچ مچ وہ انبار کے انبار بانس اور قمچیوں کے پیچھے پیچھے لا رہا تھا۔ بھولا اور رام کی عمر تقریباً ایک سی ہی تھی۔ نارائینی ہنسنے لگی۔ ادھر ماں کا غصہ سے لبریز گھبراہٹ کا لہجہ اور دوسری طرف رام کا یہ پاگل پن تمام کا تمام واقعہ اور منظر اسے مضحکہ خیز سا معلوم ہوا۔ ... ہنس کر بولی :-

"آنگن میں پیپل کا پیڑ کیا ہوگا رے؟"

رام متعجب ہو کر بولا "کیا ہوگا کیا؟ بھابھی! کیسی عمدہ اور سبز چھاؤں ہو گی۔ اور جو یہ ننھی سی ڈالی دیکھ رہی ہو۔ بڑی ہونے پر، ارے گوبندا انگلی مت دکھا لے ورنہ یہ بڑھنے نہ پائے گی....... بڑی ہونے پر اس پر جھولا ڈالیں گے۔ اور گوبندا کو خوب جھلایا کریں گے..... بھولا ذرا گنڈاسہ اٹھا لانا...... گھیرا اونچا لگانا پڑے گا۔ ورنہ کالی بچھڑی گردن ڈال کر اسے چبا لے گی"

اور وہ تیزی سے کھٹ کھٹ بانس کاٹنے لگا۔ نارائینی مسکراتے ہوئے بھرا ہوا گھڑا اٹھائے رسوئی گھر میں چلی گئی۔

مارے غصہ کے دگمبری کی آنکھیں شرارے اگلنے لگیں۔ لڑکی کی طرف غصے سے بھری ہوئی نگاہ ڈالتے ہوئے بولی:

"تو نے کچھ بھی نہیں کہا؟ تو یہیں پیپل لگے گا..... کیوں؟"

اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا "ماں! تم گھبراتی کیوں ہو۔ اتنا بڑا پیڑ کچھ لگے گا تھوڑے ہی۔ اس میں جڑ وغیرہ کہاں ہے۔ جو گھڑوں پانی انڈیلنے سے جم جائے گی اور بڑھنے لگے گا؛ یہ تو کل ہی خشک ہو کر الگ گر پڑے گا!"

دگمبری ذرا بھی شانت نہ ہوئی بولی "سوکھے گا کیا خاک۔ بھلا چاہتی ہے تو اسے اکھاڑ کر پھینک دے"

نارائینی نے چونک کر کہا۔ "باپ رے! تب تو گھر میں رہنا مشکل ہو جائے گا"

ماں نے جواب دیا: "کیوں؟ گھر کیا اس اکیلے کا ہے۔ کہ من میں آیا تو

آنگن میں پیپل لگا دیا؟ تو کیا کوئی ہوتی ہی نہیں؟ میرا گو بندا کوئی نہیں ہے کیا؟ ہائے بھگوان! اس پر دُنیا بھر کے کوّے۔ چیلیں، گدھ آکر قیام کریں گے گندگی پھیلا کر صحن میں غلاظت بھر دینگے۔ مجھ سے تو نارائینی یہ سب سہا نہیں جائے گا۔ آخر اس سے تُو اتنی ڈرتی کیوں ہے؟ میں بھی تو جانوں بھلا؟ اگر میرا گھر ہوتا۔ تو تُو دیکھتی کہ کتنا بڑا شیطان ہے۔ اور ایک دن میں سیدھا کر دیتی اسے۔"

نارائینی کو ماں کے دل میں موجزن جذبات کسی آئینہ کے عکس کی طرح صاف نظر آگئے۔ ہنس کر بولی

"ابھی تو لڑکا ہے ماں! اس میں اتنی ذہانت کہاں؟ عقل ہوتی تو کیا اپنے گھر کے آنگن میں پیپل کا پیڑ جماتا؟ دو دن کھڑا رہنے دو۔ بعد میں خود بخود ہی اُکھاڑ کر پرے پھینک دے گا۔"

دگمبری نے کہا۔ "پھینک دیگا؟ وہ خود کہاں پھینکے گا۔ میں خود ہی اُکھاڑے دیتی ہوں۔"

نارائینی نے جواب دیا۔ "نہیں ماں! ایسا مت کرنا۔ قبل از یں متنبہ کئے دیتی ہوں۔ اسے تم پہچانتی اور سمجھتی ہی نہیں۔ میرے سوا اس کے بھیا بھی اسے چھونے کی جرأت نہ کریں گے۔ .... ماں! آج کا دن لگا رہنے دے پھر دیکھا جائے گا۔"

دگمبری برہم ہو کر بولی "۔ اچھا اچھا۔ تو جا کپڑے پہن۔"

دوپہر کو نارائینی اپنے کمرہ میں بیٹھی تکیہ کا غلاف سی رہی تھی کہ خادمہ نے آکر اطلاع دی۔

"بہو جی! ستیاناس ہو گیا۔ نانی جی نے چھوٹے بابو جی کا پیڑ اُکھاڑ پھینکا ہے

اب سکول سے آتے ہی کھا جائیں گے۔ کسی کو چھوڑیں گے تھوڑے ہی"

نارائینی فوراً سلائی چھوڑ کر باہر گئی دیکھا۔ سچ مچ پیڑ نہیں ہے۔

ماں سے پوچھا "ملی رام کا پودا کیا ہوا؟"

دگمبری نے کچھ عجیب طرح مُنہ بنا کر انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔"وہ پڑا ہے"

اُس نے قریب جا کر دیکھا۔ اسے نہ صرف اکھاڑ ہی ڈالا گیا تھا۔ بلکہ زچ کر بالکل تباہ کر دیا تھا۔ نارائینی نے خاموشی سے اُٹھوا کر باہر پھینکوا دیا۔ اور آہستگی سے اپنے کمرہ میں چلی گئی۔

سکول سے لوٹتے ہی رام نے سب سے پہلے اپنا پیڑ دیکھا اور دیکھتے ہی چونک کر اُچھل پڑا۔ کتاب کاپی پنسل وغیرہ سبھی وہیں پٹخ کر چلایا۔

"بھابھی! میرا پیڑ؟"

"نارائینی رسوئی سے نکل آئی بولی:"بتاتی ہوں .... ادھر آؤ"

"نہیں آؤں گا۔ پہلے بتاؤ میرا پیڑ کہاں ہے؟"

"ادھر میرے پاس آ تو سہی .... میں سب کچھ بتاتی ہوں"

رام کے قریب پہنچتے ہی وہ ہاتھ تھام کر اسے کمرہ میں لے گئی۔ اور گود میں بٹھا کر پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی:۔

"منگل کو بھی کہیں پیپل لگایا جاتا ہے پاگل؟"

رام نے شانت ہو کر پوچھا۔"کیوں؟ کیا ہوتا ہے؟"

نارائینی نے کہا۔"گھر کی بڑی بہو مر جاتی ہے ..... منگل کو نہیں لگاتے"

رام کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے سرسوں کے پھولوں کی طرح پیلا ہو گیا۔ بولا "نہیں! تم جھوٹ بولتی ہو!"

نارائینی نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔ "بھائی کبھی جھوٹ بولتی ہے؟ کتب میں جو لکھا ہے۔ وہ بھی غلط ہی ہے؟"

"کہاں ہے دیکھوں وہ کتاب؟"

ایک لمحہ کے لئے بچاری گھبرائی لیکن اس سنجیدگی سے بولی "کیسا لڑکا ہے تو؟ منگل کو پتری اور کتاب کا نام بھی لیتے ہیں کہیں؟ تو دیکھے گا کیسے رے؟ اتنا تو بھولا بھی جانتا ہے۔ اچھا بلا تو اسے"

اتنی بڑی حماقت بھولا کے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔ اسی خوف سے مجبور ہو کر اس نے ماں جیسی مشفق بڑی بہو کے گلے میں دونوں بانہو حائل کر کے اُس کے سینہ میں منہ چھپاتے ہوئے کہا: "معلوم ہے .... یہ تو میں بھی جانتا ہوں سب۔ ...... مگر پھینک دینے سے پھر تو کوئی بدشگونی یا نقصان نہیں رہتا نا بھابھی؟"

نارائینی نے اُس کا سر چھاتی سے لگاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، اب کوئی نقصان نہیں ہے۔ اور اس کی آنکھیں پانی سے ڈوب گئیں۔ شیریں آواز میں بولی۔

"کیوں رے رام اگر میں مر جاؤں۔ تو تُو کیا کرے؟"

رام نے سر ہلا کر کہا: "ہشت .... نہیں ...... ایسا نہیں کہا کرتے"

نارائینی نے چپکے سے آنسو صاف کر کے کہا: "بوڑھی ہو گئی ہوں۔ اب مروں گی نہیں کیا؟"

اب رام کی سمجھ میں آیا۔ کہ مذاق اور ہنسی میں ہی بات ہو رہی ہے۔ ہنستا ہوا بولا:۔

"تم بوڑھی ہو گئیں؟ دانت تو ایک بھی نہیں ٹوٹا تیرا؟ ایک بھی تو بال

نہیں پکا"
نارائینی نے کہا۔"بال نہیں پکے تو کیا؟ میں کسی دن ندی میں ڈوب مروں گی۔ نہانے جاؤں گی اور لوٹوں گی نہیں"۔
"کیوں بھابھی؟"
"تیرے باعث! میری ماں کو تو دیکھ نہیں سکتا۔ رات دن جھگڑا کیا کرتا ہے۔۔۔۔۔ اس دن معلوم پڑے گا۔ جب میں لوٹ کر نہ آؤں گی"۔
اس بات پر اُس نے وشواس تو نہیں کیا۔ لیکن اُس کے دل میں ایک خدشہ سا بیدار ہو گیا۔ بولا۔
"اچھا! اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر وہ کیوں مجھے چھیڑتی اور تنگ کرتی رہتی ہے؟"
"چھیڑنے دے۔ وہ میری ماں ہے۔ وہ بھی بڑی بوڑھی ہیں۔ جیسے تو مجھے پیار کرتا ہے۔ ایسے ہی کیا کہ۔۔۔۔۔ کرے گا نہ؟"
رام نے پھر بھابھی کی چھاتی میں منہ چھپا لیا۔ یہیں منہ رکھ کر اُس نے یہ تیرہ برس بسر کئے ہیں۔ یہ ملیبے اور تفکا دینے والے سال۔ اتنا بڑا ہوا پھر وہ کیسے اتنا بڑا جھوٹ بول سکتا تھا؟ یہ تو اس کے لئے ناممکن تھا۔
بھابھی نے بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔"منہ چھپانے سے کیا ہوگا رے! بتا؟"
عین اسی وقت دگمبری آ دھمکی۔ آواز میں نرمی پیدا کرکے بولی:۔
"تجھے کچھ کام دھندا بھی نہیں ہے نارائینی! یہاں دیور کو لے کر لاڈ پیار ہو رہے ہیں۔ اور ادھر تیرے لڑکے کی درد شا ہو رہی ہے"۔
رام نے فوراً ہی منہ اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں ببوکے شیر کی طرح

چمک اُٹھیں۔

نارائینی نے زبردستی اس کا سر اپنی چھاتی کی طرف کھینچ لیا اور بولی:۔

"لڑکے کی بُری حالت ہو رہی ہے —— وہ کیوں؟

"کیسے —— ؟ اچھی بات ہے" کہہ کر دگمبری چلتی بنی۔

بنا کہے کہنے لائق کوئی چھوٹی بات بھی اس سے کہنی نہ بنی۔

رام نے زبردستی سر علیحدہ کر کے کہا "اس ڈائن کا میں ٹینٹوا دبا دونگا"

اس نے رام کا منہ دبا کر کہا "خاموش رہ پاجی! وہ میری ماں ہے"

چار پانچ روز بعد ایک دن رام روٹی کھاتے کھاتے زور زور سے سسکیاں بھرنے لگا۔ وہ تین بار پانی پی کر تھالی پرے دھکیل کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر لگا ناچنے اور بڑبڑانے:۔

"اس ڈائن کے ہاتھ کا بھوجن میں نہیں کھاؤں گا۔ مرچوں کے مارے سارا منہ جل گیا بھابھی ...... او بھابھی"

نارائینی بیٹھی مالا گھما رہی تھی۔ شور سُن کر جلدی سے اُٹھ آئی بولی:۔

"کیا ہوا رے؟"

مارے غصے کے رام رونے لگا "میں کبھی نہیں کھاؤں گا۔ اُس کے ہاتھ کا ہرگز نہ کھاؤں گا.... اس کو نکال دو" کہتا ہوا وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

نارائینی متعجب ہو کر کچھ دیر تک کھڑی رہی۔ پھر ماں سے بولی۔

"ماں! بار بار تم سے کہتی ہوں کہ اتنی مرچیں نہ ڈالا کرو۔ ترکاری میں اتنی تیز مرچ کھانے کی کسی کو عادت نہیں"

دگمبری آگ بگولا ہو گئی۔ جل بھن کر بولی "اتنی مرچیں ڈالی بھی ہیں؟ دو مرچیں غلطی سے ڈال بھی دیں۔ تو کیا قیامت آگئی۔ اتنا طوفان برپا ہو گیا"

نارائینی نے جھنجھلا کر کہا" نہ سہی دو مرچیں۔ کچھ ضروری ہے جب کوئی دوسرا یہاں کھاتا ہی نہیں ——"

خاموش رہ نارائینی! خاموش رہ .... چلی ہے مجھے رسوئی سکھانے۔ بناتے بناتے بال سفید ہو گئے۔ اب اپنی بیٹی ہی سے مجھے کھلنا پکانا سیکھنا ہو گا........ لعنت ہے مجھ پر۔"

نارائینی خاموشی سے رسوئی گھر میں جا کر سامان کو ترتیب دینے میں مشغول ہو گئی

دگمبری دروازے پر پاؤں پسار پیشانی تھام کر بیٹھ گئی اور لگی چلانے
" ہائے میاری۔ کہاں ہے تو؟ مجھے بھی اپنے پاس بلا لے۔ اب تو برداشت نہیں کیا جا سکتا مزید کچھ۔ جس کے جی میں آتا ہے۔ گالی دے دیتا ہے۔ میں بڑھیا ہوں، میں چڑیل ہوں، مجھے نکال دو.......... میں داماد اور لڑکی کے ٹکڑے چبانے آئی ہوں۔ مجھے پھانسی لٹکانے کے لئے رسی بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اس سے تو در بدر بھیک مانگ کر شکم پُر کرنا بہتر رہتا بہتر تھا۔ سرو! بیٹا چل...... نکل چلیں۔ اب اس گھر کا آن پانی چھونا......"

سرودھنی رونی سی صورت بنا کر ماں کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ دگمبری اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے کو تیار ہو گئی۔

نارائینی ترکاری بنا رہی تھی۔ اسے ادھوری چھوڑ کر اٹھ آئی اور راہ روک کر کھڑی ہو گئی

دگمبری نے روتے ہوئے کہا:۔
"ہمیں روک مت نارائینی۔ جانے دے اب! جھاڑی تلے فاقوں مرنا

اچھا۔ لیکن یہاں کے ٹکڑوں پر زندگی بسر کرنا موزوں نہیں "
نارائینی نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا
"کس پر برہم ہو کہ جا رہی ہو ماں؟ ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہو۔ تو بتاؤ؟"
دگمبری کے گالوں پر آنسوؤں کا دریا سا جھول گیا۔ اور بھی شدت سے روتی ہوئی ناک میں بولی۔
"میں ننھی سی چھوکری نہیں ہوں۔ سب کچھ سمجھتی ہوں نارائینی تیری شہ اور تحریک کے بغیر اس کی کیا جرأت ہے۔ جو یوں بڑھ چڑھ کر بولے؟ میں ڈائن ہوں! اب! مجھے نکال دو۔ . . . . اچھی بات ہے۔ میں خود ہی چلی جاتی ہوں ہم تم لوگوں کی گلے کی رسّی ہیں۔ کہتی ہوں سامنے سے ہٹ! جانے دے "
نارائینی نے ماں کے دونوں پاؤں چھو کر کہا۔ " ماں! آج کے دن معاف کر دو۔ . . . . . . جانے دو۔ ان کے آنے پر جیسا سمجھ میں آئے کرنا " — اور وہ ہاتھ پکڑ کر انہیں اندر لے گئی۔ دونوں پاؤں پر پانی انڈیل کر آنچل سے انہیں صاف کر کے ایک پیڑھے پر بٹھا پنکھے سے ہوا کرنے لگی۔
اس وقت تو اس کے غصہ کی آگ فرو ہو گئی۔ لیکن دوپہر کو شام لال جونہی کھانے بیٹھا۔ تو وہ کواڑ کی آڑ میں بیٹھ کر سسکنے لگی۔ پہلے تو شام لال منہ ہی تاکتے رہے۔ اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آسکا۔ کہ کیا ماجرا ہے۔ جونہی تمام باتیں اچھی طرح معلوم ہوئیں۔ وہ بنا شکم پُر کئے ہی اُٹھ گئے۔
نارائینی سمجھ گئی کہ یہ غصہ کس پر ہے۔ خادمہ اسے نہ سہہ سکی گھر میں وہ ذرا صاف کہنے والی تھی۔ فوراً بولی :-
"نانی جی نے جان بوجھ کر بابو جی کو کھانے نہ دیا۔ آنکھوں کا سیلاب خشک تھوڑے ہی ہو چلا تھا۔ . . . . دو منٹ بعد اسے باہر دھکیل دیتیں

دگمبری کے چہرہ پر جیسے کسی نے تارکول کی تہیں جما دی ہوں۔ اس سے کوئی جواب دیتے بن نہ پڑا۔ اور گم سم سی ہو کر بیٹھ گئی۔

دوپہر کو رام نہ جانے کہاں سے گھوم پھر کر گھر آیا۔ اِدھر اُدھر جھانک کر بھابھی کے کمرہ میں جا کر دیکھا۔ وہ گو بند کوٹے سو رہی تھیں اسے آثار کچھ اچھے نظر نہ آئے۔ پھر بھی آہستہ سے بولا۔

"بھوک لگی ہے"

بھابھی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسی طرح خاموش لیٹی رہی۔ اس نے ذرا بلند آواز میں کہا "کیا کھاؤں؟"

نارائینی نے اسی طرح پڑے پڑے جواب دیا "میں نہیں جانتی! جا یہاں سے"

"نہیں! میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے کیا بھوک نہیں لگتی؟"

نارائینی نے کروٹ لے کر دکھ بھرے لہجہ میں جواب دیا "مجھے پریشان مت کر...... وہاں سنتو ہوگی۔ اس سے مانگ لے جا کر"

رام بلا کچھ کہے سنے باہر چلا گیا۔ اور اسی کو ڈھونڈنے لگا۔ ملتے ہی بولا۔ "کھانے کو دو مجھے"

داسی شاید تیار ہی تھی۔ فوراً کٹورہ بھر دودھ، تھوڑے شکر پارے اور چیوڑا لے آئی۔

رام کو غصہ آگیا۔ چڑھ کر بولا "بس ابھی ہیں؟"

داسی نے رازدارانہ اور راکتائے لہجہ میں کہا "چھوٹے بابو! خیریت چاہتے ہو۔ تو کھا لو خاموشی سے!...... اودھم مت مچاؤ۔ بابوجی بنا کھائے ہی کچہری چلے گئے ہیں۔ بہوجی بھی فاقہ کئے ہیں۔ شور وغل سن کر ابھی نکل

آئیں گی۔ تو تمہاری خیر نہیں۔"

رام سب کچھ دیکھ ہی چکا تھا۔ خاموشی سے تھوڑا سا دودھ پی کر چھوڑے اور شکر پارے جیب میں ڈال تالاب کے کنارے اُگے ہوئے پیڑ تلے جا کر بیٹھ گیا۔ کھانے میں اس کا جی نہیں لگ رہا تھا۔ رہ رہ کر اسے یہی خیال آتا تھا۔ کہ بھابھی بھوکی پیاسی ہی پڑی ہیں۔ چھوڑا چباتے چباتے وہ سوچنے لگا۔ اگر اسے قدیم رشیوں اور سادھوؤں جیسا کوئی منتر یاد ہوتا تو وہ کسی توقف کے بغیر اسی سے بھابھی کا شکم پُر کر دیتا۔ لیکن منتر تو اسے بھی معلوم نہیں تھا۔ اب کیا کرنا چاہیئے؟ وہ کچھ طے نہ کر سکا۔ گھر لوٹ کر کھانے کے لئے تحریک کرنے میں اسے شرم محسوس ہونے لگی۔ اور وہ پھر کھائیں گی بھی کیسے؟ بھیّا نے تو ابھی کھایا ہی نہیں۔ تو پھر کہنے اور تحریک کرنے سے کیا ہو گا۔ آہستہ آہستہ اُس نے جیب کے شکر پارے اور چھوڑے تالاب میں پھینک دیئے اور خالی الذہن ہو کر وہیں چکر کاٹنے لگے۔ بار بار اُس کے ذہن میں یہی خیال کھیلنے لگتا۔ کہ بھابھی ابھی تک بھوکی پڑی ہیں۔ اس بات کو جتنی اور جتنی طرح وہ سوچنے لگا۔ اتنی مرتبہ ہی اس کے دماغ میں نشتر سے چبھنے لگے۔

رات کو شام لال نے بیوی سے کہا "اب تو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ رہنا میرے لئے بہت مشکل ہو گیا ہے۔"

نارائینی دنگ رہ گئی۔ حیرت سے بولی "کس کی بات کہہ رہے ہو؟"

"رام کی! تمہاری ماں برابر چار پانچ روز سے کہہ رہی ہے کہ رام اس کی ہتک کر رہا ہے۔ میں تو گاؤں کی پنچایت کے نمائیندوں کو بُلا کر انکی موجودگی میں سب کچھ تقسیم کر ڈالوں گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب مجھ سے نہیں سہا جاتا یہ سب کچھ۔"

نارائینی سنانے میں آ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر بولی" رام کی علیحدگی کی بات زبان پر بھی نہ لانا۔ وہ دودھ پیتا بچہ ہے، روپیہ پیسہ اور زمین جائیداد لے کر کیا کریگا؟"

شام لال نے تیکھی طنز سے کہا: دودھ پیتا بچہ ہی تو ہے ۔۔۔۔ زمین جائیداد اسے کیوں درکار ہے۔ یہ وہی جانے!"

نارائینی نے جواب دیا" وہ کچھ نہیں جانتا۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔ اب سمجھی! اماں تمہیں چار پانچ روز سے یہی کہتی پھرتی ہے کیوں؟"

شام لال پہلے تو لاجواب سے ہو کر بغلیں جھانکنے لگے، پھر بولے:- "نہیں تو! اُنہوں نے تو نہیں کہا۔ لوگوں کی بھی آنکھیں ہیں۔ مجھے تم کیا محض ایک احمق ہی تصور کرتی ہو؟ میں کیا کچھ دیکھ ہی نہیں سکتا؟"

"نہیں! میں تو ایسا نہیں سمجھتی۔ لیکن میں پوچھتی ہوں کہ اسکے ہے کون؟ جسے وہ لے کر الگ رہے گا؟ نہ ماں ہے، نہ بہن ہے اور نہ موسی ہی ـــ کون ہے؟ اسے بنا کر کھلائے گا کون؟"

"شیام لال جھنجھلا کر بولے:" میں یہ سب کچھ نہیں جانتا"

منہ سے کہا تو سہی کہ نہیں جانتا۔ لیکن در حقیقت سب کچھ جانتے تھے اتنی بڑی ٹھوس سچائی جانے بغیر اور چارہ کار ہی کیا تھا؟ نارائینی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس لئے کچھ دیر خاموش رہ کر خود کو سنبھالتی ہوئی بھاری لہجہ میں بولی:-

"دیکھو! تیرہ برس کی عمر میں جب کہ لڑکیاں ابھی گڑیاں ہی کھیلا کرتی ہیں ماں میرے سر پر یہ سب گرہستی چھوڑ کر سورگ سدھاری تھیں۔ وہ دیکھ ہی ہونگی۔ کہ اُن کے دیئے بوجھ کو میں اچھی طرح اُٹھا رہی ہوں یا نہیں؟"

پکا کر کھایا پلایا ہے۔ بچوں کو پالا ہے۔ خاندان اور برادری کی تمام مجلسی رسومات اور فرائض تن تنہا پورا کرتے کرتے آج چھبیس برس کی ہو گئی ہوں۔ اب اگر تم میری گھر گرہستی میں دخل دو گے تو سچ کہتی ہوں۔ کہ میں ندی میں ڈوب مروں گی۔ تب دوسرا بیاہ کرنا اور رام کو علیحدہ کر کے جو جی میں آئے وہی کر لینا۔ نہ میں دیکھنے آؤں گی۔ اور نہ ہی کچھ کہوں سنوں گی لیکن میری موجودگی میں یہ سب معرض وجود میں آنا بہت مشکل ہے۔"

شیام لال بیوی سے بہت ڈرتے تھے۔ اس لئے مزید کچھ کہنے سننے کی جرأت نہ کر سکے۔ رات کو بات یہیں تک ہو کر رہ گئی۔ دوسرے دن نارائینی نے رام کو قریب بٹھا کر محبت اور ملائمت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:۔

"رام! تو اب یہاں مت رہ بھیا۔ تو الگ کہیں جا کر رہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہ سکے گا؟"

رام اسی وقت مستعد ہو گیا اور ہنس کر بولا" ہاں! رہ سکوں گا بھابھی! تم، میں، گوبندا اور بھولا۔ اچھا تو کب چلوگی بھابھی؟"

نارائینی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد وہ کہتی بھی کیا! لیکن رام کب ماننے والا تھا۔ وہ بالکل تیار ہو چکا تھا۔ بولا:۔

"کب چلوگی بھابھی؟"

نارائینی سے رہا نہیں گیا۔ جواب میں اسے سینہ سے لگا کر بولی:۔

"بھابھی کو چھوڑ کر تو اور کہیں نہیں رہ سکتا؟"

رام نے سر کی جنبش سے جواب دیا۔ "نہیں"

"اور بھابھی اگر مر جائے تو؟"

"ہشت"

"ہشت نہیں! ابھی تُو بھابھی کی بات نہیں سُنتا۔ پھر دیکھنا"
"رام نے جھٹ سے کہا" کب تمہاری بات نہیں سُنی بھابھی؟"
نارائینی نے جواب دیا:۔"کب سنی ہے بتاؤ؟ کب سے میں کہہ رہی ہوں کہ میری ماں کی تو بے عزتی نہ کیا کہ..... تو بھی تو اُسے جو دل میں آتا ہے۔ کہتا پھرتا ہے۔ کل بھی تم نے اُن کی بے حرمتی کی.....اب کی مرتبہ جہاں میرے دل میں آئیگا، چلی جاؤں گی"
"میں بھی چلوں گا تمہارے ساتھ"
"تجھے معلوم ہی نہیں ہوگا۔ کہاں جاؤں گی۔ میں چھپ کر چل دوں گی"
"اور گوبندا؟"
"وہ تیرے پاس رہے گا۔ تجھے ہی اس کی پرورش کرنی پڑے گی"
"نہیں! مجھ سے نہیں ہو سکے گا بھابھی"
نارائینی کو ہنسی آگئی بولی۔"ہو گا کیسے نہیں؟ تجھے ہی یہ سب کرنا پڑے گا"
رام کو اس بات پر اعتبار نہ آیا۔ کھلکھلا کر ہنس دیا اور بولا:۔
"سب جھوٹی بات ہے! تم کہیں نہیں جاؤ گی"
"جھوٹ، غلط نہیں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ دیکھ لینا میں چلی جاؤنگی"
رام کا رنگ زرد پڑ گیا۔ رُک رُک کر بولا
"اور اگر میں تمہاری سب باتیں مانوں تو؟"
نارائینی نے مسکرا کر کہا" تو نہیں جاؤں گی۔ اور تجھے گوبندا کو بھی نہیں پالنا پڑے گا"

رام بہت خوش ہو کر بولا:۔

"اچھی بات ہے۔ آج سے تم دیکھ لینا۔"

(۳)

آٹھ دس دن بہت سکون اور اطمینان رہا۔ کوئی ہنگامہ نہ ہو سکا۔ دگمبری کی طرف سے حملے نہ ہوتے ہوں یہ بات نہ تھی لیکن رام کو غصّہ آنے ہی نہ پاتا تھا۔ اس روز بھابھی کی بات پر اسے پورا وشواس تو نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی اسے خوف ضروری لاحق ہو گیا۔ لیکن بھگوان شاید اس بات سے خوش نہیں تھے۔ اسی دوران میں ایک اور واقعہ رونما ہوا۔

آج دگمبری نے اپنے مرحوم باپ کی برسی منانے کے لئے ۱۲ برہمنوں کو مدعو کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

صبح کے وقت رام سلیٹ پر حساب کے سوال حل کر رہا تھا۔ بھولا نے آکر آہستہ سے اطلاع دی۔ "بھیا جی! بھگّا ماہی گیر تمہارے کارتک اور گنیش کو پکڑنے کے لئے جال لایا ہے۔ چل کر دیکھ تو سہی۔"

یہاں ذرا اس بات کی وضاحت کرنی پڑے گی۔ بہت دنوں کے پرانے دو بڑے بڑے مگرمچھ گھاٹ کے کنارے ہمیشہ چکر لگایا کرتے تھے۔ آدمیوں سے تو زیادہ خوف نہ کھاتے تھے۔ رام کہا کرتا تھا یہ "اُس کے پالے ہوئے مچھ ہیں۔ اُس نے اُن کے نام تجویز کئے تھے۔ کارتک اور گنیش۔ محلہ میں ایسا کوئی نہ تھا۔ جس نے رام سے ان کے غیر معمولی اوصاف نہ سُنے ہوں اور وہ اس کی تحریک سے اسے ایک مرتبہ دیکھ نہ آیا ہو۔ اُن میں کون سی خوبی ہے۔ اور کون کارتک ہے۔ اور کونسا گنیش یہ بھی رام کے سوا اور کوئی نہ جانتا تھا۔ اور تو اور اتنے دنوں کا ساتھی بھولا بھی بعض

اوقات اُلجھن میں پڑ جاتا۔ اور غلط پہچان کی اس عظیم حماقت کا مرتکب ہونے پر رام سے پیچھی کھاتا تھا۔

نارائینی کبھی کبھی ہنس کر کہتی :" رام کے کارتک اور گنیش میرے تیرھویں میں کام آئیں گے"۔

بھولا کی اطلاع سے رام ذرا بھی متوحش نہ ہوا اور نہ ہی چونکا۔ اس نے سلیٹ پر مزید جُھک کر کہا " جال ڈال کر دیکھیں نہ ذرا...... توڑ کر صاف نہ نکل جائیں تو کہنا"۔

بھولا نے جواب دیا۔" نہیں بھیا! ہمارے یہاں کا جال نہیں ہے بھگا ملاحوں کے ہاں سے موٹا جال مستعار لے آیا ہے...... اسے نہیں توڑ سکیں گے"۔

رام نے سلیٹ رکھ کر کہا۔" چل تو دیکھوں بھلا"۔

تالاب پر جا کر دیکھا۔ اُس کے کارتک گنیش کے خلاف واقعی مہم جاری تھی۔ بھگا تھوڑا سا چبوترا ڈال کر جال لئے کنارے پر تیار کھڑا تھا۔

رام نے قریب آکر پوری قوت سے اُسے دھکیل کر کہا :-

" بدمعاش کہیں کا! چبوترا ڈال کر میرے مچھوں کو بلا رہا ہے"۔

بھگا روتی صورت بنا کر بولا۔" بڑے بابو حکم دے گئے ہیں۔ اور

کوئی مچھلی ملی ہی نہیں بھیا جی۔

رام نے جھٹکا دے کر اس کے ہاتھ سے جال چھین لیا اور پرے پھینک کر بولا "جا! بھاگ یہاں سے۔"

بھگا جال اٹھا کر آہستگی سے کھسک گیا۔ رام لوٹ کر پھر سلیٹ پنسل اٹھا کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کسی سے لڑیگا نہیں۔

دگمبری جلدی جلدی سندھیا سے فارغ ہو جانا چاہتی تھی۔ خادمہ نے آکر کہا

"مچھلی تو نہیں ملی نانی جی! چھوٹے بابو نے بھگا کو مار مار بھگا دیا ہے۔"

ان دونوں مچھوؤں پر دگمبری کی بہت دنوں سے آنکھ لگی ہوئی تھی۔ بڑے مچھوؤں کے بارے میں بیوہ کے دلی جذبہ کا اندازہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اصل میں یہ کہنا قطعی غیر موزوں اور نامناسب ہو گا۔ کہ ان پر حصول کی نظر ڈالنے سے اس کی دلی خواہش کو دخل حاصل تھا بلکہ اپنے کسی کام کو اپنے ہاتھ سے تیار کر کے براہمنوں کو پتّل میں پروسنے کی اور ثواب حاصل کرنے کی آرزو مدت سے اس کے دل میں جاگزیں تھی۔ کل داماد کی تائید حاصل کر کے ملاحوں کے ہاں سے مضبوط جال منگوا کر "بھگا" کو چار آنہ انعام دینے کی ترغیب دیکر اس نے ساری تیاری قریب قریب پوری کر رکھی تھی۔ آج صبح بھی ان دونوں کو گھاٹ کے کنارے گھومتے پھرتے دیکھ کر مطمئن دل سے وہ مالا پھیر رہی تھی۔ کہ یہ دکھ اور افسوس سے بھرپور پیغام ملا۔ سنتے ہی حیرت اور تعجب سے آگ ببھوکا ہو اٹھی۔ دانت پیسنے کی اسے عادت سی پڑ گئی تھی۔ اچانک دانت پیس کر مالا اوپر اٹھائے ہوئے کہنے لگی

"ارے کون ہے میرا دشمن! وہ بدذات نہ جانے کب مرے گا۔۔۔ بھیّی

میری روح کو سکون مل سکے گا۔ باسی مُنہ میں ابھی تک پانی نہیں ڈالا.....
بھگوان اگر میں سچی ہوں تو تیسرے دن ——"

قریب ہی نارائینی بیٹھی ترکاری بنا رہی تھی۔ بجلی کی طرح تڑپ کر اُٹھتی ہوئی بولی..... "ماں.....!"

سنا ہے اولاد کے منہ سے ماں کے تخاطب کی دُنیا میں کسی سے مشابہت نہیں۔ نارائینی کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے اس لفظ کی بھی شاید آج کوئی برابری نہیں تھی۔ اس ایک نام کی پکار سے دگمبری کا لہو منجمد ہو گیا۔ لیکن نارائینی کسی طرح خاموش نہ رہ سکی۔ دیکھتے دیکھتے اس کے دونوں گالوں پر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھیں پونچھ کر جہاں رام پڑھ رہا تھا وہاں جا کھڑی ہوئی۔

سخت لہجہ میں رام سے پوچھا "تو نے بھگا ماہی گیر کو مار پیٹ کر بھگایا ہے؟"

رام چونک اُٹھا۔ اسلیٹ سے آنکھیں اُٹھا کر ایک لمحہ تک اس کے مُنہ کیطرف دیکھکر جواب دینے کی کوشش نہ کرتے ہوئے دوسرے دروازے سے سر پر پاؤں رکھکر بھاگ کھڑا ہوا۔

نارائینی کو اصل بات کی بابت کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ واپس آ کر بھگا کو طلب کیا۔ وہ آیا اور نارائینی نے اُسے خود ہی مچھلیاں پکڑ لانے کے لئے کہا۔

وہ بہوجی کا حکم پا کر جال لے کر چل دیا اور تھوڑی دیر بعد ہی اس نے ایک بڑا سا مچھلی لا کر دھم سے آنگن میں پھینک دیا

نارائینی رسوئی گھر کے دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ مچھ دیکھتے ہی چونک اُٹھی اور شک بھرے لہجہ میں بولی

کیوں رے! اسے اپنے گھاٹ سے تو نہیں پکڑا؟ یہ رام کے کاڑنک اور

گنیش میں سے تو نہیں ہے؟"

بھگانے اتنا بڑا مچھ اس قدر قلیل وقفہ میں پکڑ لانے کی بہادری میں پھولتے ہوئے کہا "جی ہاں بہو جی! یہ گھاٹ کا ہی ہے .... بڑا زبردست مچھ ہے"

پھر دگمبری کی طرف اشارہ کر کے بولا "ان ماں جی نے اسے ہی پکڑ لانے کو کہا تھا"

نارائینی کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ گم سم کھڑی رہی۔ وا ہی اگرچہ رام پر بہت خوش نہ تھی۔ تاہم مچھ کو دیکھ کر اسے غصہ آ گیا۔ دگمبری سے بولی۔

"اچھا نانی جی! چھوٹے بابو کے کانک گنیش کی بات تو محلہ بھر کے لوگ جانتے ہیں۔ پھر تم نے کیا سوچ کر اسے پکڑ لانے کا حکم دے دیا؟ اور بھی تو دو تین تالاب ہیں کیا ان میں مچھ نہیں ہوتے؟ دس نو آدمی کھائیں گے۔ ان کے لئے اس نصف من کے مچھ کو کیا کرو گے؟ ابھی چھپا دو اسے کہیں نہ کہیں۔ ورنہ چھوٹے بابو آ کر حشر برپا کر دیں گے"

دگمبری نے منہ پھلا کر کہا "مجھے یہ سب لغویات معلوم ہی نہیں تھیں ایک مچھ پکڑ لیا۔ تو کیا ظلم ہو گیا۔ جو کنبہ کا کنبہ اچھل رہا ہے .... اسے چھپا دو کہیں .... آئی بڑی چھپانے والی۔ براہمن کیا کھائیں گے .... تیرا سسر؟"

خادمہ بولی "تمہارے براہمن کھائیں گے دو اڑھائی بجے ...... بہت وقت ہے۔ تب تک ایک چھوڑ دس مچھلیاں آ جائیں گی۔ چھوٹے بابو کو پہلے سکول چلا جانے دو۔ نہیں تو آفت آ جائے گی۔ بھولا ابھی تو یہاں کھڑا تھا۔ کہاں گیا وہ؟ چلا گیا معلوم ہوتا ہے۔ خبر دینے۔ اب خیر نہیں بہو جی جو کچھ کرنا ہو

کروا لئے جلد ہی۔ اب اور خاموش مت رہو"

بھگا چار آنہ انعام حاصل کرنے کے لالچ سے چل مانگ لایا تھا یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ نقد حاصل کرنے کی اُمید ترک کر کے خاموشی سے چلتا بنا۔

ضرورت پڑنے پر رام کہاں مل سکتا ہے اس بات کو بھولا اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ دوڑا دوڑا باغیچہ کے عقب میں ...... امرود کے پیڑ تلے پہنچا۔ رام ایک ڈالی پر پیر لٹکائے بیٹھا۔ کچے امرود چبا رہا تھا۔ بھولا نے ہانپتے ہوئے آکر کہا۔

"جلدی دیکھنے چلو بھیا جی۔ بھگا نے تمہارے کارن تم کو مار ڈالا۔"

رام نے امرود کترنا بند کر کے جواب دیا "جھوٹ"

"سچ بھیا جی! ماں جی نے پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ ابھی آنگن میں پڑا ہے۔ دیکھ لو نہ چل کر"

رام دھڑام سے نیچے کو د پڑا۔ اور آندھی کی سی تیزی سے اُڑتا آنگن میں جا پہنچا۔ وہاں پہنچتے ہی ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ مجھ کو دیکھتے ہی زور سے چلا اُٹھا۔

"یہی تو میرا گنیش ہے۔ بھابھی تم نے حکم دے کر میرے گنیش کو پکڑوا دیا؟" یہ کہتا ہوا اوندھے منہ زمین پر لیٹ گیا اور مذبح بکرے کی طرح پاؤں ٹپکنے لگا۔ اس کا یہ صدمہ کس قدر غم اور دُکھ سے بھرپور ہے اور کتنا گہرا ہے یہ شاید دیگر بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ اسے کھلانے کے لئے رات کو نارائینی نے بہتیرا اُبلایا اور منایا۔ لیکن رام ٹس سے مس نہ ہوا۔ بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا تو اس نے جھٹکا دے کر الگ کر دیا۔ دن بھر فاقوں رہ کر رات کو ایک آدھ لقمہ بھات منہ میں ٹھونس کر سو گیا۔

دگمبری آڑ میں کھڑی کھڑی داماد سے کہہ رہی تھی "تم ایک مرتبہ کہو تو۔ ورنہ نارائینی کھانے گی نہیں۔ دن بھر سے بھوکی پیاسی پڑی ہے"۔

"بھوکی کیوں ہے ابھی تک" شیام لال نے پوچھا۔

دگمبری رو نہ سکی۔ تاہم لہجہ میں ذرا لوچ پیدا کر کے بولی "میرا ہی قصور ہے بابا۔ معاف کردو۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ برہم بھوج کے لئے تالاب سے ایک مچھلی پکڑوا لانے پر اس قدر جلد مہابھارت چھڑ جائے گا"۔

شیام لال ٹھیک طرح سمجھ نہ سکے۔ داسی کو بُلا کر پوچھا "کیا ہوا ہے سنتو؟"

خادمہ نے سامنے آکر جہاں کھڑی تھی۔ وہیں سے جواب دیا "وہ چھوٹے بابو کا گنیش تھا"۔

شیام لال چونک پڑے، بولے "وہ رام کے کارتک گنیش میں سے ایک تھا کیا؟"

ملازمہ بولی "ہاں"۔

اب زیادہ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ سب کچھ سمجھ گئے بولے "رام نے بھی نہیں کھایا ہوگا؟"

"نہیں ابھی تک نہیں کھایا"۔

"تو پھر کہنا ہی فضول ہے۔ اس نے نہیں کھایا تو وہ تھوڑے ہی کھائیگی"۔

دگمبری قریب ہی سے بولی "اگر اس بات کی مجھے پہلے ہی خبر ہوتی۔ تو براہمنوں کی دعوت کی بات کبھی بھول کر بھی زبان پر نہ لاتی۔ اس نے خود ہی حکم دے کر کیوں مچھلی پکڑوائی۔ اور اب آپ ہی کیوں ایسا کر رہی ہے یہ ہی جانے میں تو خاموشی اختیار کر ہی چکی تھی۔ تو بھی سب قصوروار میں ہی ہوں اگر ایسا

ہی ہے ہم دونوں کو کہیں اور بھیج دیا جائے بھیا۔ یہاں تو اب ایک لمحہ بھی نہیں رُک سکوں گی...“

تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر رونی آواز میں بولی ”میری اگر پھوٹی تقدیر نہ ہوتی تو کیوں ایسا بھائی موت کا لقمہ بنتا۔ اور مجھے کیوں جھاڑو جوتیاں کھانے اور لعن طعن سہنے کے لئے یہاں آنا پڑتا بیٹا ہم بالکل ہی محتاج ہیں۔ اسی لئے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ ہمارے لئے تمہیں کہیں نہ کہیں سہارا ڈھونڈ دینا ہوگا۔“

شیام لال بےچین ہو اٹھے لیکن ”ہاں“ ”نہ“ کچھ نہ کہہ سکے۔

نارائینی اوٹ میں کھڑی سب کچھ سن رہی تھی اور اپنی ماں کی اس فریبانہ حرکت اور ڈھونگ پر احساس خجالت سے مری جا رہی تھی۔ وہ سیدھی رام کے کمرہ کے سامنے جا کر کواڑ کھٹکھٹا کر بولی۔

”راجہ بیٹا کیسا ہے تو! بھابی کی بات نہیں سنے گا؟ دروازہ تو کھول دے۔“

رام جاگ رہا تھا۔ لیکن خاموش ہی رہا۔

نارائینی نے پھر پکارا ”اُٹھ تو سہی اٹھ اٹھ۔ کواڑ تو کھول بھیّا۔“

اب کی مرتبہ وہ چلّا کر بولا ”ہرگز نہیں کھولوں گا۔ تم جاؤ۔ نہیں کھولونگا تم سب میرے دشمن ہو۔“

”اچھا وہی سہی۔ کواڑ تو کھول دے۔“

”نہیں کبھی نہیں۔ میں نہیں کھولونگا۔“

واقعی اس نے اس رات کواڑ نہیں کھولے۔

شیام لال اپنے کمرے میں سے سب بات سن رہے تھے نارائینی کے اندر آتے ہی انہوں نے کہا۔

”یا تو کوئی راہ نکالو۔ ورنہ میں سب کچھ چھوڑ کر جہاں جی میں آئیگا چلا جاؤنگا

اتنا ہنگامہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

نارائینی کچھ جواب نہ دے کر خیالات میں غرق ہو گئی

اس کے بعد دو تین دن گذر جانے پر بھی جب رام کا غصہ کچھ کم نہ ہوا تو نارائینی من ہی من میں ناراض سی ہونے اور بُرا محسوس کرنے لگی۔ آج شام ہو جانے پر بھی رام سکول سے واپس نہ لوٹا۔ تو وہ تڑپ پر غصہ سے بیقرار ہو گئی۔ اتنے میں دگمبری ندی سے نہا کر دنیا بھر کی خیر و عافیت دریافت کرتی رام کی غریبی اور بڑے کی بات سوچتی' اپنی بڑی لڑکی کی جُداگانہ فطرت اور انوکھی و بلند سمجھ کا تذکرہ کہتی غم و تفکرات کو سفید بال ہو جانے کا باعث کہتی' اپنی عمر بڑی لڑکی نارائینی کے برابر بتلاتی۔ اور بھائی کے گھر گرہستی میں اپنا مکمل اقتدار جتلاتی۔ اطمینان سے گھر لوٹ رہی تھی۔ لیکن بیچ میں ایک حادثہ سن کر ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی گھر پہنچی۔ آنگن میں پاؤں رکھتے ہی بلند آواز میں کہنے لگی۔

"اپنے عزیز اور لائق دیور کی کرتوت سن لی نارائینی؟"

خدشات اور خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے رکتے رکتے پوچھا

"کون سی کرتوت؟"

دگمبری نے جلدی سے جواب دیا۔" وہ تو تھانے گئے ہیں۔ اور جائیں نہیں تو کیا کریں۔ ایسا بدذات اور شریر لڑکا تو میں نے سات جنموں میں نہیں دیکھا۔ اب جائے جیل۔"

اس کے چہرہ سے مانو خوشی اُمڈی پڑتی تھی۔ نارائینی نے اس کی بات کا جواب نہ دیکر خادمہ کو بُلا کر کہا۔" رام ابھی تک آیا کیوں نہیں ــــ کبولا کو تو ذرا بھیج دے جاکر ڈھونڈ لائے اسے۔"

دگمبری نے اچھلتی آواز میں کہا"میں جو سب کچھ سن آئی ہوں۔"

نرتیہ کالی سننے کی انتظار میں مُنہ پھیلائے کھڑی رہ گئی۔ نارائنی نے جھڑک کر کہا "کھڑی ہے یہیں بُت بنکر .... جاتی کیوں نہیں۔ کان سے سنائی نہیں دیا کیا؟"

خادمہ سٹپٹا کر اسی وقت چل دی۔ دگمبری نے اپنی آواز میں نرمی اور سکون پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا سنا ہے تو نے؟"

"پہلے تم کپڑے پہن لو۔ پھر اطمینان سے کہنا" کہتی ہوئی نارائنی وہاں سے چل دی۔

دگمبری دنگ رہ گئی۔ دل ہی دل میں بولی "اوہو! لڑکی کا غصّہ تو دیکھو"۔ ایسی دلچسپ حرکت کا تذکرہ اور مفصل بیان نہ کر سکنے پر اس کا پیٹ پھولنے لگا۔ رام کی حرکت کا مختصر احال یہ تھا۔ گاؤں کے سکول میں زمیندار کا بھی لڑکا پڑھتا تھا۔ آج کھانے کے وقت رام سے اس کی بحث ہو گئی موضوع ذرا دقیق اور مشکل تھا۔ اس لئے فیصلہ نہ ہو سکا۔ اور نوبت مار پیٹ تک چلی گئی زمیندار کے لڑکے نے کہا "شاستر میں لکھا ہے کہ شمشان کالی کھشا کالی کی بجائے زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کی زبان لمبی ہے"۔

رام نے تردید کی اور بولا "ہرگز نہیں۔ شمشان کالی کی زبان کچھ چوڑی ضرور ہے۔ لیکن بہت بڑی نہیں اور ایسی سُرخ بھی نہیں"۔

کچھ روز قبل محلّہ میں اس دیوی کی تمام عبادت ہوئی تھی۔ اس کا منظر ابھی تک رام کے ذہن میں تیر رہا تھا۔ زمیندار کے لڑکے نے رام کی بات پر یقین نہ کر کے اپنی ہتھیلی بڑھا کر کہا "اس کی زبان تو اتنی سی ہے"۔

رام کو غصّہ آ گیا بولا "کیا اتنی سی۔ کبھی نہیں وہ اتنی بڑی ہے اتنی سی

زبان ہوتی تو کیا کبھی دھرتی کی حفاظت کر سکتی؟ زمین کی حفاظت کرتی ہے۔
اسی لئے تو رکھشا کالی نام ہے۔"

اس کے بعد دو چار باتیں ہوئیں۔ اور آخر میں دونوں اُلجھ پڑے۔ زمیندار کا لڑکا کمزور تھا۔ لہٰذا وہ زیادہ پٹ گیا۔ اس کی ناک سے دو ایک بُوند لہو بھی اس سکول کی چھوٹی سی زندگی میں اتنا بڑا واقعہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا جب زمیندار کا سکول ہے۔ اسی کے لڑکے کے ناک سے خون؟"

پھر کیا تھا ہیڈ ماسٹر خود سکول بند کر کے لڑکوں کو ہمراہ لے کر دربار میں جا پہنچا۔ رام کے بارے میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ شروع میں ہی کھسک گیا تھا۔

بھولا نے آکر کہا۔ "بھیا جی کہیں ملتے ہی نہیں"

تھوڑی دیر میں شیام لال منہ لٹکائے گھر آئے آنگن سے ہی بولے "سنتی ہو ——— گاؤں میں رہنا تو اب دشوار ہو گیا ہے۔ ملازمت کر کے دو پیسے کما رہا تھا۔ وہ بھی اب گئی سمجھو"

نارائینی رسوئی گھر سے نکل کر گو دام کی چوکھٹ کے سہارے کھڑی ہو کر سوکھے لہجہ میں بولی۔ "تھانے میں اطلاع دے دی ہے۔ ان لوگوں نے؟"

شیام لال سر ہلا کر بولے" بڑے بابو دیوتا صفت ہیں۔ اسی لئے معاف کر دیا۔ لیکن اور بھی تو آدمی ہیں۔ آئے دن اس کا تو کوئی نہ کوئی ہنگامہ جاری ہی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں گاؤں میں کیونکر رہا جا سکتا ہے بتاؤ تو ہ رام ہے کہاں؟"

ابھی تک تو گھر نہیں لوٹا۔ شاید مارے خوف کے بھاگا بھاگا پھرتا ہو۔"

شیام لال متانت سے بولا" بھاگ گے — خواہ رہے۔ اب اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ سوتیلا بھائی ٹھہرا — لوگ نام نہ دھریں۔ اسی خوف سے اتنے عرصہ تک نبھاتا رہا۔ لیکن اب اپنی زندگی کی بھی تو فکر ہے!"

دگمبری نے رسوئی گھر سے جواب دیا" اپنے لڑکے کا بھی تو مُنہ دیکھتا ہے نہ؟"

شیام لال حوصلہ پاکر بولے" دیکھتا نہیں ہے کیا؟ ضرور دیکھتا ہے اسی لئے کل ہی پنچوں کو بُلا کر زمین جائیداد تقسیم کر ڈالوں گا۔ تم سے کبھی کہے دیتا ہوں۔ اس معاملے میں اسے پیٹنے یا ڈانٹنے کی ضرورت نہیں۔ وہ جو اچھا سمجھے گا کرے گا۔ اس نے کچھ سمجھ کر ہی تو مالک کے لڑکے پر ہاتھ اٹھا لیا ہے۔"

دگمبری دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہی تھی بولی" نارائینی کو کون جانے کیا پڑی ہے جو اسے مارتی پیٹتی پھرتی ہے۔ میری تو اسے دیکھتے ہی روح لرز اُٹھتی ہے۔ بڑا شریر لڑکا ہے بالکل شیطان۔ اس کا کیا بھروسہ۔ جب میری بے عزتی کر ڈالتا ہے۔ تو نارائینی کی توہین کرنا اس سے کونسا بعید ہے میں تو یہی کہونگی بیٹا اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے۔ رام کے جھمیلے میں نہ پڑو"

شیام لال ساس کی اس بات کی تائید نہیں کر سکے۔ شاید مروت کے باعث آہستہ سے بولے۔

"خیر کچھ بھی ہو۔ اسے سزا دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے"

نارائینی پتھر کی مورتی بن کر سب کچھ خاموشی سے سن رہی تھی۔ کسی بھی بات کا جواب نہ دیا۔ اور بعد میں دھیرے سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد خادمہ نے آہستہ سے کہا۔ "بہو جی! چھوٹے بابو آئے ہیں"۔

نارائینی دھیرے سے اُٹھ کر رام کے کمرہ میں گھس گئی۔ اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ رام کھاٹ پر چُپ چاپ بیٹھا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز سُن کر چونک اُٹھا۔ مُنہ اٹھایا تو دیکھا کہ بھابی نے دروازہ بند کر کے کونے میں سے اسی کا لایا ہؤا پتلا سا بید اُٹھا لیا ہے۔ وہ وہم سے اچھل کر کھاٹ کی دوسری طرف جا کھڑا ہوا۔ نارائینی نے بلایا۔

"اِدھر آ"

رام ہاتھ باندھ کر منت آمیز لہجہ میں بولا۔ "اب نہیں کروں گا بھابھی۔ اب کی مرتبہ چھوڑ دو"۔

نارائینی نے سخت لہجہ میں کہا۔ "آ جائے گا۔ تو کم پیٹوں گی۔ ورنہ اس بید کو مارتے مارتے تیری پیٹھ ہی توڑ دوں گی"۔

رام پھر بھی اسی طرح کھڑا رہا وہیں کھڑا کھڑا چلّانے لگا۔ "تمہارے پاؤں چھوتا ہوں۔ ہاتھ جوڑتا ہوں بھابھی۔ اب نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں کرونگا۔ کان پکڑتا ہوں بھابھی ــــ"

نارائینی نے کھاٹ پر جھک کر تڑ سے ایک بید اس کی پشت پر جما دیا۔ اور پھر تڑا تڑ بید پر بید پڑنے لگے۔ پہلے تو اس نے اِدھر کے کواڑ کھول کر بھاگ جانے کی کوشش کی پھر اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے کمرہ ہی میں بھاگتا پھرا۔ اور آخر میں پاؤں پر گر کر چلّانے لگا۔ نرتید کالی عقب میں کھڑکی جنگلے کی درز میں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ رو پڑی۔ بولی

"بھوجی! چھوڑو بھوجی۔ تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔"
دگمبری منہ مسخ کر کے کھسیانی سی ہو کر بولی۔ "تو ان باتوں میں دخل کیوں دیا کرتی ہے؟"
شیام لال نے کمرہ کے اندر سے کہا۔ "کیا ہو رہا ہے یہ؟ رات بھر ٹنٹے ہی رہو گی کیا؟"
نارائنی نے بید پھینک کر کہا۔ "اب یاد رکھنا——"

(۴)

رام کھانا کھانے بیٹھا تو دگمبری نے کواڑ کے پیچھے سے تصنع اور فریب سے کہا۔ "اتنے بڑے لڑکے کہیں اس طرح بھی پیٹا جاتا ہے؟ اس کے بڑے بھیا تو اس پر ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔"
نرتیہ کالی نے کام کرتے کرتے کہا "تم بھی کچھ کم نہیں ہو نانی جی! تم ہی تو سب باتیں بھوجی سے لگایا کرتی ہو۔ رام کو اس قدر پیٹنا اسے قطعاً پسند نہیں تھا۔"
رام نے آنکھیں گھما کر کہا۔ "ڈائن بڑھیا! تم ہی سب کو کھانے آئی ہو۔"
دگمبری تڑپ اٹھی۔ چلا کر بولی۔ "سُن نارائنی! اپنے دیور کی بات تو سُن۔"
نارائنی نہانے جا رہی تھی۔ لوٹ آئی پریشان سی ہو کر بولی۔ "مجھ میں اب مزید کچھ سننے کی قوت نہیں ہے ماں۔ . . . . سچ کہتی ہوں سنتو! مر جاؤں تو مجھے شانتی ملے۔ اب سہا نہیں جاتا—— ارے او بندر! ابھی تک تو تیری پیٹھ کے داغ بھی نہیں مٹے—— اتنی جلدی سب

بھول گیا۔"

رام نے جواب نہیں دیا۔ روٹی کھاتا رہا۔ نارائینی نے اور کچھ نہ کہا اور نہانے چلی گئی۔

آنگن کے ایک کونہ میں ایک امرود کا پیڑ تھا۔ روٹی کھا کر رام اس پر چڑھ گیا۔ اور بڑی بے پرواہی سے کچے پکے امرود کتر کتر کر کھانے لگا۔ کسی کا کچھ حصہ کھایا۔ کسی کا تھوڑا سا کتر کر پھینک دیا۔ اور جو بالکل ہی کچے تھے۔ انہیں بھی بے معنی طور پر توڑ کر اِدھر اُدھر پھینکنے لگا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر دگمبری دل ہی دل میں جل بھن کر خاک ہوئی جا رہی تھی۔ نارائینی گھر میں تھی نہیں اس سے اٹھا نہیں گیا تو بولی

"تمہارے مارے تو بیٹا پکے امرودوں کا منہ میں جانا دوبھر ہو گیا ہے۔ کچے ہی توڑ کر کیا کر رہے ہو یہ ؟"

رام کسی حالت میں بھی اس کی بات نہ سہہ سکتا تھا اور خصوصاً جبکہ وہ بھی ابھی نرِیتہ کالی کی زبانی سُن چکا تھا۔ کہ اس کے پٹنے کا واحد باعث ہی وہ بُڑھیا ہے۔ مارے غصے کے وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا پیڑ پر سے چلا کر بولا۔

"اچھا کرتا ہوں۔ خوب کروں گا بُڑھیا۔"

یہ تخاطب دگمبری کو بالکل پسند نہ تھا۔ ہتھ ہلا کر بولی۔

"بُڑھیا خوب کرے گا . . . . . . اچھا آنے دے اُسے۔ جیسا گُن ہے ویسا ڈنڈا بھی چاہیئے۔ کیسا بے حیا لڑکا ہے۔ مارتے مارتے پیٹھ کی چمڑی اُدھیڑ دی گئی۔ پھر بھی کوئی حیا شرم نہیں۔"

رام اوپر سے ہی بولا "ڈائن بُڑھیا۔"

"چھوٹا منہ بڑی بات. پاجی حرامزادہ کہیں کا۔ کہتی ہوں کہ اتر ابھی۔"

رام نے جواب دیا۔ "کیوں تیرے باپ کا پیڑ ہے کیا؟"

دگمبری پاگل ہو اٹھی۔ خوب زور سے چلا کر بولی۔ "ایں! باپ تک جاتا ہے۔ سُن لیا سنتو! سُن لیا؟"

عین اسی وقت نارائینی نہا کر لوٹ آئی۔ پیڑ پر نگاہ پڑتے ہی بولی۔ کھا کر تو سکول نہیں گیا رے؟ پیڑ پر ہی بیٹھا ہے؟"

رام نے سوچ رکھا تھا۔ کہ پیڑ پہ بیٹھا وُہ دُور سے ہی بھابھی کو آتا دیکھ کر اتر کر بھاگ جائے گا۔ لیکن اس جھگڑے میں اُلجھ جانے کے باعث ادھر کا اسے بالکل دھیان ہی نہیں رہا۔ بھابھی تو آنگن میں آ کھڑی ہے۔ اب؟ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "امرود کھا رہا ہوں۔"

"کھا تو رہا ہے۔ لیکن سکول کیوں نہیں گیا یہ تو بتا۔"

"پیٹ میں درد ہو رہا ہے جو۔"

نارائینی کو آگ سی لگ گئی بولی۔ "اسی لئے روٹی کھا کر کچے امرود نگل رہا ہے۔ کیوں رے؟"

دگمبری لڑکی کی آواز سُن کر دوڑی آئی اور بولی۔ "حرامزادے کو دیکھو تو سہی۔ میرے باپ تک جاتا ہے۔ کہتا ہوں کیوں اتروں، تیرے باپ کا پیڑ ہے؟"

نارائینی نے آنکھ اٹھا کر پُوچھا۔ "کیوں رے کہا ہے تُو نے؟"

رام نے مُنہ سکوڑ کر کہا۔ "نہیں بھابھی۔ بالکل نہیں کہا۔"

دگمبری بگڑ کر چلائی۔ "نہیں حرامزادے۔ نہیں کہا! ابھی تو سنتو موجود ہے۔"

اس کے بعد مُنہ بگاڑ کر بے بس لہجہ میں بولی۔ "اس روز جب بیدپر بید

جم رہے تھے. تب کہتا تھا " اب نہیں کروں گا۔ بھابھی تمہارے پاؤں پڑتا ہوں، ہاتھ جوڑتا ہوں — مرگیا — اب نہیں کروں گا بھابھی — پکڑے جانے پر گڑگڑاتا ہے۔ اور آزاد ہونے پر پھر اچھلتا کودتا ہے حرام زادہ "

رام سے سہا نہیں گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کچا امرود تھا۔ پوری قوت سے دے مارا اس پر۔ لیکن دگمبری کو اس نے چھوا تک نہیں۔ اور جا لگا نارائینی کی داہنی کنپٹی پر زور سے. بیچاری کے آنکھوں تلے لمحہ بھر کے لئے اندھیرا چھا گیا۔ اور وہیں سر تھام کر بیٹھ گئی۔ دگمبری بُری طرح چلّانے لگی۔ خادمہ ہاتھ کا کام چھوڑ کر بھاگی آئی۔ رام پیڑ سے کود کر بے تحاشا بھاگ کھڑا ہوا۔

دوپہر کو جب شیام لال کھانا کھانے گھر لوٹے۔ تو سب حال سُنا۔ نارائینی مُردہ سی بنی بچھونے پر دراز تھی۔ اس کی داہنی آنکھ سوج کر بند ہو گئی تھی۔ اس پر گیلے کپڑے کی پٹی باندھ کر خادمہ پنکھے سے ہوا کر رہی تھی۔ دگمبری نے آج کواڑ کا سہارا نہیں لیا. سامنے آکر زور سے روتی ہوئی بولی۔

"رام نے نارائینی کو آج مار ہی تو ڈالا"

شیام لال خدشات سے چونک اُٹھے۔ قریب جا کر چوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے سختی سے بولے۔

"آج میں تمہیں قسم دیتا ہوں اگر تم اسے کھانے کو دو۔ اس سے بولو۔ اس کی کسی بھی بات میں مخل ہو تو میرا سر کھاؤ۔ ابھی رونا تم "

نارائینی چونک اُٹھی۔ تڑپ کر بولی " چپ رہو۔ ایسی باتیں منہ سے

مت نکالو۔"

شیام لال بولے۔"میری اتنی بڑی قسم کا اگر تم پاس نہ کرو تو بھگوان کرے ابھی روز تم میری موت دیکھو۔" ——— اور وہ خود ڈاکٹر کو بلانے چلے گئے۔

رام دن بھر ندی کے کنارے گھوم پھر کر بیٹھ کر کھڑے ہو کر ——— اغلب اور غیر اغلب سب طرح کے تخیلات سے گھرا شام کے بعد تاریکی میں گھر لوٹا۔ دیکھا آنگن کے بیچ میں ٹٹیوں کا پردہ لگا کر مکان کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہلا کر دیکھا خوب مضبوط تھا۔ اسے توڑنا تقریباً ناممکن ہی نظر آیا۔ رسوئی گھر میں ایک کمزور سا دیا مدھم سی لو سے لرز رہا تھا شاید بڑھتے ہوئے اندھیرے کے خوف سے کانپ رہا ہو۔ خاموشی سے منہ بڑھا کر تاکا ——— وہاں بھی یہی معاملہ دیکھا۔ کوئی ہے ہی نہیں۔ صرف برتنوں کا انبار زمین پر لگا ہے۔ بات کیا ہے۔ واضح طور پر سمجھ نہ سکنے کے باوجود صبح کے واقعہ سے اس کا تعلق ہے۔ اس بات کے تصور سے ہی اس کی روح خشک ہو گئی۔ تب وہ خاموشی سے اپنے کمرہ میں جا کر مکان کی دوسری سمت میں جاری حالات کی رفتار معلوم کرنے کے لئے ہمہ تن گوش ہو کر کسی آواز کی بھنک سننے لگا۔ اس سے قبل جو اسے شدت کی بھوک لگ رہی تھی۔ اسے وہ بالکل ہی بھول گیا۔ تقریباً نو کا عمل ہو گیا گھوم کر پچھواڑے کی طرف جا کر اس نے عقبی دروازہ کھٹکھٹایا۔ خادمہ نے کواڑ کھول دیئے اور خود الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

رام نے پوچھا۔" بھابھی کہاں ہے؟"

"کمرہ میں سو رہی ہیں۔"

رام نے کمرہ میں جاکر دیکھا۔ کبا ابھی کھاٹ پر سو رہی ہیں۔ اور نیچے چٹائی بچھاکر دگمبری اپنی چھوٹی لڑکی کے ساتھ بیٹھی ہے۔ گووندا کھیل رہا تھا۔ رام کو دیکھتے ہی دوڑ آیا۔ چچا کا ہاتھ پکڑ کر اس پر جھول گیا۔ اور بولا۔

"چچا تمہارا گھر ادھر ہے۔ ادھر ہم لوگوں کا ہے۔ بابوجی نے کہا ہے ادھر آنے پر تمہاری ٹانگ توڑ دیں گے"۔

جیوں ہی رام کھاٹ کی پائینتی پر جاکر بیٹھا۔ نارائینی نے پیر سمیٹ لئے رام چپ چاپ بیٹھا رہا۔ دگمبری نے اپنی للی کو دھکیل کر کہا۔

"کہتی کیوں نہیں سروا بڑے جیجاجی نے کیا کہا ہے اس کے لئے"۔

سروہنی رٹتے ہوئے سبق کی طرح جلدی جلدی کہنے لگی۔ "جیجاجی نے کہا ہے۔ تم ادھر مت آنا......کل سویرے .... آگے اور کیا اماں؟"

دگمبری نے کہا۔ "زمین جائیداد....."

سروہنی جلدی سے بولی۔ "زمین جائیداد سب تقسیم کر دیئے جائینگے"۔

دگمبری بول اٹھی۔ "قسم کی بات کیوں نہیں کہتی؟ کتنی کوڑ ہو گئی ہے تو بھی"۔

سروہنی نے فوراً کہا۔ "جیجاجی نے قسم دے دی ہے جیجی کو کہا کھانے کو بھی مت دینا۔ اور نہ ہی بات کرنا...... جیجی نے کہا ہے....."

نارائینی نے بستر پر سے ہی جھڑک کر کہا۔ "اچھا اچھا ہو گیا تو خاموش رہ"۔

پھر دگمبری کہنے لگی۔ "ٹھیک ہی تو ہے بھیا۔ تم کبھی کسی کا خون کر ڈالو۔ کچھ ٹھیک تھوڑا ہی ہے۔ وہ قسم نہ دیں تو کریں بھی کیا؟ میں تو بھیا ان کو کسی طرح دکھ نہیں دے سکتی۔ کوئی خواہ کچھ ہی کہے۔ اس

گھر میں تمہارا آنا جانا اور کھانا پینا اب نہیں ہو سکتا۔ اسے کبھی تو اپنے خاوند کے سر کی قسم مانی پڑے گی۔"

سردھنی بولی "اماں! بھوک لگی ہے کھانے کو چلو۔"

ماں نے بیزاری سے کہا "چپ رہ ابھی تو ــــــ کون مری جاتی ہے بھوک سے۔"

رام گھر میں موجود تھا۔ ایسے عالم میں تو وہ گھر سے آگ میں گھر جانے پر بھی نہ اٹھتا۔ رام کی چھاتی میں دبا ہوا رونا اندر ہی اندر مچلنے لگا۔ اور سر ٹیکنے لگا۔ لیکن دگمبری نے صبح جو اس کے لہجہ کی نقل اُتار کر اسے چڑایا تھا۔ اس سے جیسے کسی بھاری پتھر نے آکر اس کی راہ روک دی۔ وہ رو نہیں سکا۔ ایک مرتبہ بھی نہیں کہہ سکا۔ "اب نہیں کروں گا بھابھی۔" اس ایک ہی فقرہ نے متعدد مرتبہ بہت سی آفتوں سے اس کی حفاظت کی تھی لیکن آج وہ اُسے بھی نہیں کہہ سکا۔ اسی سے اندر ہی اندر اس کا دم گھٹنے لگا۔

اتنے میں نارائینی نے تھکے ہوئے لہجہ میں کہا "سرو۔ چلے جانے کے لئے کہہ دے اسے۔"

اب وہ آنسو دبا کر کہہ اُٹھا "ہاں! چلے جانے کے لئے کہہ دے اسے۔ مجھے بھوک تھوڑے ہی لگی ہے۔ سبھی نے تو نہیں کھایا۔"

نارائینی نے ذرا بیقرار ہو کر کہا "ایک دم مار ہی کیوں نہیں ڈالا۔ تب دس دس ہاتھوں کھاتا ــــــ میں کچھ نہیں جانتی۔ جو دل میں آئے کرے جائے نرتیہ کالی کے پاس۔"

"نہیں جاتا اس کے پاس۔ کسی کا سہارا نہیں لیتا۔ میں بنا کھائے پیئے ناتھ سے ہی سو رہوں گا۔" کہتا ہوا دھم دھم پاؤں ٹپختا گھر بھر کو لرزاتا ہوا تیزی

سے باہر نکل گیا۔ اور خاموشی سے اپنے گھر جاکر کھاٹ پر سو رہا۔ خادمہ بھنوٹا سا کھانا لے آئی اور بولی

"چھوٹے بابو! اُٹھو کھا لو۔"

رام اچھل کر کود اٹھا! "جا یہاں سے کل مو ہنی ۔ ۔ ۔ ۔ دفع ہو جا ابھی!"

نرتیہ کھانا رکھ کر چلی گئی۔ رام نے برتن اٹھا کر آنگن میں پھینک دیئے۔

صبح شیام لال اپنے کام پر چلے گئے تو رام اپنے آنگن سے ٹہلتا ہوا گرجنے اور چلانے لگا ۔۔۔ "قسم وسم میں نہیں جانتا۔ ۔ ۔ وہ بڑی قسم دی ہے۔ کون ہوتے ہیں وہ جو قسم دلواتے ہیں؟ وہ کیا میرے سگے بھیا ہیں؟ وہ میرے کوئی نہیں۔ ان کی بات میں نہیں مانتا۔ میں نے کیا بھابھی کو مارا تھا؟ بڑھیا ڈائن پر نشانہ باندھا تھا۔ چوک کر جا لگا تھا بھابی جی کو ۔۔۔ پھر وہ حلف دینے کیوں آئے؟"

ان سب باتوں کا کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لہجہ تبدیل کر کے کہنے لگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "اچھی بات ہے۔ اچھا ہی تو ہے۔ مت بولو۔ مت کھانے دو۔ میں خود بخود خوب مزے سے کھانا تیار کروں گا۔ بھات، دال، عمدہ عمدہ ترکاری، مچھلی ۔۔۔ اکیلا ہی سیر ہو کر کھاؤں گا۔ میرا کیا بگڑے گا بھلا؟"

اس بات کا بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ تب وہ رسوئی گھر میں جاکر گھنا اور چھنا چھن برتن ادھر سے اُدھر ہلا جلا کر کام میں مشغول ہو گیا۔ شور و غل سے بھولا کو چاول دال دھونے اور ترکاری بنانے کا ارشاد کیا۔ نرتیہ کا لی سب کچھ رسوئی گھر میں رکھ گئی تھی۔ بھولا کو حکم دیا ۔۔۔ "تو میرا نوکر ہے۔ اس طرف مت جانا۔ اس گھر کا اگر کوئی ادھر آدمی

تو بے شک ٹانگ توڑ ڈالنا اس کی --- اچھا! --- سمجھانہ کبھولا۔ نرتیہ کالی آوے تو سہی ذرا اس طرف۔"

نارائینی رسوئی والے برآمدے میں بیٹھی سب کچھ سُن رہی تھی۔ دگمبری تجسس کے جذبہ سے مجبور ہو کر گاہے بگاہے جھری میں اس طرف دیکھ لیتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بڑی لڑکی کے قریب آکر سر دھنتی روتی اور پھس پھس پھٹس پھٹس کرتی ہوئی بولی

"اوہو بیٹا کی ذرا عقل تو دیکھو۔ آپ بڑھیا لڑکا ری بنا کر کھائیں گے۔ پیتل کی دیگچی میں چاول گلے تک بھر دئیے۔ اور ذرا سا پانی ڈال دیا ہے۔ یہ بھات بن رہا ہے۔ ایک تو کھانے والا ہے۔ لیکن چاول چڑھا دئیے ہیں دس کے لئے۔ بھلا یہ تو پوچھو یہ پکیں گے کیوں کر؟ جل کر خاک نہ ہو جائیں گے اس دیگچی میں بھلا اتنے چاول آ سکتے ہیں؟ تو انہیں برباد کرنا ہے اور اس پر یہ گھمنڈ کہ ہم بنا کھائیں گے۔ بکاتے تو ہم لوگ بھی ہیں۔ لیکن دماغ ہمارا کبھی نہیں چڑھا۔ بھات تیار کروں گی۔ تو اس قدر پانی ڈالوں گی کہ پھر دیکھنا ہی نہ پڑے --- آنکھیں موند کر اُتار لو تیار ہو جائے گا۔ کوئی آوے۔ اور بنائے میرے مقابلہ میں --- دیکھیں لوگ کس کا عمدہ بتائیں گے؟"

نارائینی نے مُنہ دوسری طرف گھما لیا۔

نرتیہ کالی قریب ہی بیٹھی تھی بولی "نانی جی! ایک ہی بات کہتی ہے بھلا اس نے ایک گلاس پانی بھی آج تک اپنے ہاتھ سے ڈال کر پیا ہے۔ جو آج وُہ رسوئی بنا کر کھائے گا؟" وہ بہت دنوں کی پرانی غلطی تھی یہ سب باتیں اسے آج اچھی نہیں لگ رہی تھیں

ماں کی دیکھا دیکھی سر دمنی بھی اسی درز میں سے دیکھ رہی تھی۔ گھنٹہ بھر

بعد دوڑی آئی اور بہن کا ہاتھ کھینچتی ہوئی بولی "او جیجی ! جیجی ری ! چل کے ذرا دیکھو نہ ـــــ چھوٹے جیجا جی بالکل کچا بھات روکھا ہی کھا رہے ہیں۔ دال ترکاری کچھ نہیں محض بھات ـــــ ! اچھی جیجی ! کچا بھات کھانے سے پیٹ میں درد نہیں ہوگا؟"

نارائینی نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ الگ کر دیا۔ اور وہ بچھونے پر جا کر پڑ رہی۔ آج وہ کس قدر دُکھ اور بھوک کی شدّت سے یہ سب کھانے بیٹھا ہے۔ یہ نارائینی سے پوشیدہ نہیں تھا۔

دوپہر کو شیام لال کے کھانے کے بعد دگمبری نارائینی کو بُلانے لگی۔

"آ بیٹی دو لقمہ کھالے آ کر۔ بخار تھوڑا ہی ہے۔ چوٹ سے حرارت ہو گئی ہے۔ لہذا اس میں تو کھایا جا سکتا ہے۔ میں کہتی ہوں نہ بیٹا۔ تھوڑا سا کھالے۔"

نارائینی نیچے سے اوپر ایک موٹی چادر اوڑھ کر بولی "مجھے پریشان مت کرو ماں۔ تم لوگ کھاپی کر چوکا اٹھا دو۔

دگمبری بولی "کچھ اور مت کھانا۔ صرف تھوڑی سی خشک روٹی اور بھرتہ ہی کھالے ـــــ کہو تو ـــــ"

نارائینی نے کہا۔ نہیں۔ مجھے نہیں کھانا کچھ بھی۔"

دگمبری نے حیرت سے پُوچھا۔" ایسی کون سی بات ہے۔ کل سے کچھ نہیں کھایا پیا۔ آج بھی نہ کھائے گی تو شریر کیسے چلے گا؟"

نارائینی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خادمہ آ کر بولی: تم جھوٹ موٹ کیوں کہہ رہی ہو نانی جی۔ سر پر کھڑے کھڑے شام تک چلّانے سے بھی وہ نہ کھائیں گی۔ بخار ہے ذرا اچھی طرح سو لینے دو۔"

دُلمیری بڑبڑاتی ہوئی اُٹھ کر چل دی۔ "بھگوان جانے کیا بات ہے چوٹ وغیرہ لگنے سے تھوڑی سی حرارت ہو جاتی ہے۔ اس سے کوئی کھانا پینا تھوڑے ہی ترک دیتا ہے۔ ہم سے تو یہ نہیں ہوتا۔"

شام کو نانا ئینی پھر رسوئی والے برآمدے میں آ بیٹھی جتنی مرتبہ نرتیہ کالی سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ اس کے لب کچھ کہنے کے لئے پھڑپھڑاتے رہے لیکن ہر بار بنا کچھ کہے ہی بند ہو گئے۔

رام نے سکول سے آ کر ہاتھ مُنہ دھویا اور جا کر بازار سے چنا چبوڑ وغیرہ لے آیا۔ کھاتے کھاتے بلند آواز میں بولا۔

"میرا کیا بگڑا؟ بھات کھا کر مزے سے اپنے سکول گیا۔ اور اب بھی اسی طرح پھر کھا رہا ہوں آ کر۔"

دیوار کے اس طرف سبھی ہوں گے۔ اتنا تو اسے اچھی طرح معلوم تھا۔ لیکن صبح کی طرح اب بھی اسے کسی نے جواب نہ دیا۔ سبھی چپ رہے۔ اس سے وہ اور بھی گھبرا گیا چلا کر بولا۔

"ادھر ہماری حد ہے۔ کسی روز نرتیہ کالی یا اور کوئی ہمارے اس رقبہ میں داخل ہوا تو اس کی ٹانگ توڑ دوں گا۔"

یہ ٹانگ توڑ ڈالنے کی دھمکی وہ پہلے بھی دے چکا تھا۔ لیکن جس طرح تب اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا تھا۔ اب بھی یہ حربہ بیکار ہی گیا۔ کوئی متاثر یا مرعوب ہوا یہ نہیں کہا جا سکتا۔

شام کے بعد چراغ روشن کر کے وہ رسوئی گھر میں پہنچا۔ اور پھر ہڑبونگ مچانے لگا۔ "ہماری لکڑیاں کہاں ہیں؟ میں کھانا کیسے پکاؤں گا؟ ہمارا سل اور بٹہ کہاں ہے؟ — میں مصالحہ کیسے بناؤں گا؟"

اس گھر سے ملازمہ نے آ کر کہا۔ "بہو جی کہتی ہیں کل بازار سے منگوا دوں گی"۔

"نہیں میں خریدا ہوا سل بٹہ نہیں چاہتا"۔ کہتا ہوا وہ دوڑ کر سوئی گھر سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد پھر لوٹ آیا اور بولا۔

"کیوں میرے گنیش مجھ کو پکڑوایا تھا؟ بڑھیا نے کس لئے مجھے چڑا چڑا کر غصہ دلایا تھا؟ اچھی طرح گالی دوں گا۔ خوب دوں گا۔ بڑھیا مر کر دوسرے جنم میں چڑیل ہوگی"۔

دگمبری نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "سن رے نارائینی سُن لے! یہ زبردستی لڑنا ہے یا اور کچھ؟"

نارائینی دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ خاموشی سے اُسی طرف دیکھتی رہی۔

(۵)

دوسرے روز صبح ہی رام کی بات چیت کا ڈھنگ تبدیل ہو گیا۔ بھابی نے بلایا تک نہیں۔ ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ بھی نہ کی۔ اور نہ ہی کھانے کو کچھ دیا۔ ایسا تو اس نے اپنی ہوش میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ اب وہ درحقیقت ڈر گیا تھا۔ اسے جھجک سی محسوس ہو رہی تھی۔ پہلے تو وہ اپنے رسوئی والے برآمدے میں بیٹھ کر طرح طرح کی اُلٹی سیدھی اور مضحکہ خیز سی بے معنی باتیں کرنے لگا۔ بولا۔ "بلی کو مارنے کے لئے امرود پھینکا تھا"۔ لب میں کہنے لگا۔ "ہاتھ سے چھوٹ کر بھابھی کے سر میں جا لگا ـــــ" ایک بار کہا "میں تو کچا امرود پھینک رہا تھا۔ کسی کو مارا تھوڑے ہی تھا"۔ پھر ذرا ہی دیر بیٹھ کر کی ـــ میں نے کسی کو گالی نہیں دی ـــ"

لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ ادھر سے کسی نے نہ تو جواب دیا اور نہ ہی تردید یا تصدیق کی کوشش کی۔ ——— بہت خواہش ہونے پر بھی وہ "ہاں" یا "نہ" میں سے کوئی بھی لفظ نہ سُن سکا۔ ایک مرتبہ ہچکچا کر بڑی جُرأت سے "اب کبھی نہ کروں گا بھابھی" کہہ گیا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتے دیکھ کر رونے لگا۔ اب وہ کس چیز، کونسی تدبیر سے اور کیوں کر اسے راضی کرے۔ بھابھی نے اسے علیحدہ کر دیا تھا۔ اب وُہ کھائے گا کہاں؟ کس کے پاس اور کیسے رہیگا؟ کہیں بھی کی طرف سے اُمید کا ساحل نظر نہیں آ رہا تھا۔ آج اس نے رسوئی بنانے کی کوشش بھی نہ کی۔ اور نہ ہی سکول گیا۔ خاموشی سے کمرہ میں ہی پڑا رہا۔

چھپے چھپے روتے رہنے سے نارائینی کو شاید بخار آگیا تھا۔ دوپہر کو ڈگمبری نے کٹورا بھر دودھ لا کر کہا۔ "پینا ہی پڑے گا۔ بنا کھائے پیئے مرے گی کیا؟ نارائینی نے انکار نہ کر کے کٹورا ہاتھ میں تھام تھوڑا سا پی کر نیچے دھر دیا۔ اور کروٹ بدل کر سو رہی۔ اسے "نہیں! نہیں" کہنے میں بھی نفرت سی محسوس ہو رہی تھی۔

رات کے نو بج چکے تھے۔ نرتیہ کالی نے آہستہ سے آ کر کہا۔ "بہو جی! چھوٹے بابو کی تو آواز تک بھی نہیں آتی۔ اس قدر رات گذر گئی"۔

نارائینی گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ روتی ہوئی بولی۔ "جا بہن میری! دیکھ آ گھر میں ہے کہ نہیں"۔

نرتیہ کالی کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے گیلی ہو گئیں۔ ہاتھ سے آنسو صاف کرتی ہوئی بولی۔ "جانے کا اب حوصلہ نہیں پڑتا بہو جی"۔ کہہ کر باہر چلی گئی اور بھولا کو بُلا لائی ——— بھولا نے اطلاع دی کہ بھیا جی گھر میں ہی

ہیں ـــ سو رہے ہیں ـــ نارائینی دونو ہاتھ جوڑ کر سر سے لگا کر چادر تان
پھر سو رہی۔

دوسرے روز صبح ہی مُنہ اندھیرے نہا دھو کر اس نے رسوئی بنانی شروع کر دی۔ جب دگمبری جاگی تو آدھی رسوئی بن چکی تھی بیٹی کی یہ کرتوت دیکھ کر وہ متعجب ہو گئی۔ کرخت لہجہ میں بولی۔

"تین روز سے کچھ کھایا نہیں۔ اندھیرے ہی نہا دھو کر یہ کیا ہو رہا ہے سنوں تو سہی"۔

"اس نے فطری سادگی سے جواب دیا۔ "دیکھ تو رہی ہو رسوئی بنا رہی ہوں"

"وہ تو دیکھ رہی ہوں۔ لیکن کیوں؟ معلوم بھی تو ہو؟ تو کیا اب تیرے ہاتھ کا نہیں کھائے گی؟"

اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اپنے کام میں مشغول رہی۔

کل دن بھر رام سوچتا رہا نہ جانے بھابھی کو کتنی چوٹ لگی ہو گی۔ وہ ایک کچا امرود لے کر اپنی پیشانی پر پوری قوت سے مار مار کر اس ضرب کی شدت کا جائزہ لینے لگا۔ پھر سوچنے لگا۔ "کیا کرنے سے اس غلطی کا پرائشچت ہو سکتا ہے۔ سوچتے سوچتے اس کو یاد آ گیا۔ کہ کچھ روز ہوئے بھابھی نے اسے یہاں رہنے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر وہ اور کہیں چلا جائے گا۔ تو شاید یہ بات بھابھی کی ناراضگی دُور کر سکے اس کی ننھال تارہ کیشور سے کچھ ہی آگے تھی۔ لیکن کس جگہ واقع تھی یہ اسے صحیح طور پر معلوم نہ تھا۔ وہاں جا کر ڈھونڈ نکالے گا۔ یہ تہیہ کر کے اس نے ایک چھوٹی سی پوٹلی باندھی اور بیٹھ کر صبح کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

نارائینی رسوئی تیار کر کے ایک تھالی میں سب چیزیں اچھی طرح چُن کر پروس رہی تھی کہ دروازہ پر بھولا آکر بولا "اماں"

نارائینی نے مڑ کر بھولا کو دیکھا اور پوچھا "کیا ہے رے بھولا؟"

پچھلے کئی روز سے وہ گائے کی دیکھ بھال ضرور کرتا رہا ہے لیکن رام کے خوف سے اندر نہیں آیا۔ بھولا نے آہستہ سے کہا:۔

"ایک بات کہنی ہے تمہیں کان میں سنو گی اماں؟"

نارائینی کے قریب آکر کانا پھوسی کرتے ہوئے بولا "تم نے جو کہا تھا وہی ہوگا۔ اگر تم دو روپے دے دو تو"

نارائینی سمجھ نہ سکی۔ بولی "کیا ہوگا رے؟ کیسے روپے دینے ہوں گے؟"

بھولا حیران رہ گیا۔ بولا "تم نے بھتیاجی سے کہا تھا نہ جانے کو؟ وہ روانہ ہونے کو تیار ہیں ——— اچھا دو نہیں تو ایک روپیہ ہی دے دو"

نارائینی تڑپ کر بولی "کہاں ہے وہ؟ کس جگہ جانے کو تیار ہے؟"

بھولا نے جواب دیا "باہر ببیل تلے کھڑے ہیں۔ کہیں اسطرف انکی ننھال ہے نہ؟"

"جا بھولا! تو جلدی سے اُسے ہمراہ لے آ۔ کہنا میں بُلا رہی ہوں"

بھولا بھاگتا ہوا چلا گیا۔ نارائینی پتھر کی طرح وہیں گڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد ہاتھ میں چھوٹی سی پوٹلی لٹکائے رام سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ خاموشی سے اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے گئی۔

دور سے دگمبری نے جو رام کو رسوئی گھر میں گھستے دیکھا تو اس کی تو روح ہی فنا ہوگئی۔ شکوک سے گھری وہ بھاگی بھاگی رسوئی گھر میں آئی تو دیکھا۔

کہ عمدگی سے چنی ہوئی تھالی میں رام کو گود میں بٹھائے نارائینی کھلا رہی تھی رام اس کے سینہ میں سر چھپائے بیٹھا تھا۔ اس کی پشت اور سر پر نارائینی کے آنسو چھم چھم گر رہے تھے!

بھونچکی سی ہو کر دگمبری کچھ دیر تک دیکھتی رہی پھر بولی
"میں کیا جانتی تھی — اسی لئے اتنی صبح اُٹھ کر یہ سب کچھ ہو رہا ہے کھانا کھلایا جائے گا۔ جان پڑتا ہے۔ اور میرے داماد نے جو اتنی بڑی قسم دلائی تھی — وہ بھاڑ میں جھونک دی گیا!"

"ان کی بات بھاڑ میں کیوں جائے گی ماں؟ میں نے ان کی بات مان تو لی تھی — تین دن تک نہ خود کھایا اور نہ ہی اسے کھلایا!"

دگمبری تیکھے لہجہ میں بولی۔" اسی کو کہتے ہیں کہ میں نے ان کی بات کا احترام کیا اسے مان لیا۔ تو پھر یہ کیا ہو رہا ہے جس نے حلف دیا ہے اس سے ایک مرتبہ پُوچھ تو لیا ہوتا!"

نارائینی نے جیسے کڑی چوٹ سہتے ہوئے جلدی سے کہا۔" میں نے پُوچھ لیا ہے ان سے!"

اسے اعتبار نہ آیا۔ اور بھی زیادہ برہم ہو کر بولی!" میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں نارائینی! تُو نے پُوچھ لیا ہے۔ اور مجھے معلوم بھی نہ ہُوا!"

اب نارائینی سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ بھی کرخت لہجہ میں بولی۔
تمہیں کیوں کر معلوم ہو گا۔ ماں کہ کس سے میں نے کب اور کیسے پُوچھ لیا ہے — ماں جس کی زبان ہے۔ وہ قسم دے سکتا ہے۔ مجھ —"

اتنا کہہ کر وہ رک گئی۔ اور گہرا سانس لیکر رام کا محجوب چہرہ زبردستی

سینہ سے علیحدہ کر کے اس کی پیشانی چوم کر بولی" جسے چھاتی سے چمٹا کر اتنا بڑا کرنا پڑتا ہے وہی جانتی ہے۔ کہ کس سے کب اور کیوں پوچھا جاتا ہے۔ تمہیں پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اب ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ۔ اسے دو لقمے کھلا دوں میں۔ میرے بچے نے تین روز سے کچھ نہیں کھایا۔" کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں پھر آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ آیا۔

دگمبری نے ایک لمحہ سوچ کر کہا۔" بھلا اب میں یہاں کس طرح رہ سکتی ہوں۔ اس گھر میں اب میرا رہنا نہیں ہو سکتا۔ یہ واضح طور پر میں کہے دیتی ہوں تمہیں۔"

نارائینی بولی ـــــ" میں بھی یہی بات کئی روز سے تمہیں کہنا چاہتی تھی۔ لیکن زبان کھول کر کہہ نہ سکتی تھی۔ سچ مچ ماں! اب تمہارا یہاں رہنا سخت دشوار امر ہے۔ تمہاری آنکھوں میں میرا اتنا بڑا لڑکا سُوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ یہ خواہ شریر ہو یا شیطان، میں اسے کسی کو اور کسی طرح بھی سزا نہ دینے دوں گی۔ آج تم یہیں رہو۔ لیکن کل ضرور چلی جانا اپنے گھر ــ"

تمہارے اخراجات کا بار میں اپنے کندھوں پر لیتی ہوں۔ ان کا متحمل ہونے کے لئے برابر رقم پہنچتی رہے گی۔ لیکن یہاں تم کسی صورت میں بھی نہ رہ سکو گی۔"

دگمبری بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ اور تھوڑی دیر بعد دھیرے سے باہر نکل گئی۔ رام اسی طرح چھاتی میں منہ چھپائے آہستہ سے بولا۔

"نہیں بھابھی! انہیں یہیں رہنے دو - اب میں اچھا ہو گیا ہوں۔ اب میرا اخلاق سدھر گیا ہے — مجھے "سُمتی" آگئی ہے — اب کی مرتبہ تم اور آزما دیکھو۔"

نارائینی نے ایک مرتبہ پھر اس کا مُنہ اُٹھا کر ماتھے پر لب جما دیئے۔ اور آنسوؤں میں سے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"اب تو کھالے میرے اچھے رام

اس پر مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند مرحوم نے "کشمکش" کے بنگالی ایڈیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "گورو دیو ٹیگور کے آرٹ کو عروج اور بلندی پر دیکھنا ہو تو گیتانجلی کے بعد اس ناول کو پڑھیں۔ ناول ہذا فلسفہ زندگی پر میری رائے میں ٹیگور کا بہترین ناول ہے۔ ہم آپ سے "کشمکش" پڑھنے کی پُرزور سفارش کرتے ہیں۔

کتاب کی ضخامت قریباً ۵۰۰ صفحات مجلد۔ اعلےٰ گیٹ اپ۔ قیمت صرف تین روپے۔

آشیانہ

از شاعر اعظم ڈاکٹر سر رویندر ناتھ ٹیگور

یوں تو روی بابو نے کئی ایک ناول لکھے ہیں لیکن حلقۂ ادب کی یہ متفقہ رائے ہے کہ "آشیانہ" ہی اُن سب میں بہترین ہے۔ اسمیں گھریلو زندگی کے ہر پہلو پر ایک نئے زاویہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ بنگالی میں اس ناول کا نام "گھر اور باہر" ہے یعنی گھر کی دُنیا اور باہر کی دُنیا دونوں کے مختلف پہلوؤں کو ٹیگور نے انتہائی صفائی سے پیش کیا ہے۔ نسوانی آزادی کہاں تک مناسب اور ممکن ہے۔ عورتوں کو گھر کے دھندوں پر باہر کی سوسائٹی کو ترجیح دینی چاہیئے یا نہیں وغیرہ وغیرہ مسائل کو بڑے ہی لطیف انداز میں سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ ناول کیا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز اور انسانی فطرت کی لطافت نگاریوں کا آئینہ دار ہے۔ بڑھیا کاغذ دیدہ زیب گیٹ اپ۔ قیمت اڑھائی روپے۔

پبلشرز

راجپال اینڈ سنز انارکلی لاہور

(نامی پریس ہسپتال روڈ سٹریٹ لاہور میں باہتمام مہاشہ راجپال پرنٹر و پبلشر چھپا)